6951

مسلمانوں کی تہذیب

روسی مستشرق وی۔ وی بارتھولڈ کے قلم سے

(مترجمہ)

ابو النصر محمد خالدی
استاذ تاریخ اسلام جامعہ عثمانیہ

بہ نظر ثانی

پروفیسر محمد حبیب الرحمن (مرحوم)
استاذ تاریخ اسلام جامعہ عثمانیہ

ادارہ دانش و حکمت حیدرآباد دکن

135485 (حقوق محفوظ)

طبع اول : ۱۰۰۰

قیمت عمار

سول ایجنٹ

اسٹار ایجوکیشنل سپلائی کمپنی

ہمایوں روڈ۔ حیدرآباد دکن

Marfat.com

۱۔ تمہید۔	۷
۲۔ پہلا باب۔ نصرانی مغرب اور اسلام میں اس کی اہمیت۔	۱۹
۳۔ دوسرا باب۔ خلافت اور عربی تہذیب کی ابتداء۔	۴۴
۴۔ تیسرا باب۔ بنی اداور اسلامی تہذیب کا مزید ارتقاء۔	۶۳
۵۔ چوتھا باب۔ ایرانی تہذیب اور اسلامی ملکوں پر اس کے اثرات۔	۹۳
۶۔ پانچواں باب۔ منگولی فتوحات اور بیرونی تہذیب پر اس کا اثر۔	۱۳۵
۷۔ چھٹا باب۔ پندرھویں صدی کے بعد اسلامی دنیا کی حالت۔	۱۶۳

Marfat.com

Marfat.com

پروفیسر وی، وی، بارتھولڈ کی کتاب "مسلمان کلچر" کا ترجمہ ۱۹۴۰ء میں مکمل ہو چکا تھا۔ اس وقت مترجم کے استاد مرحوم پروفیسر جمیل الرحمٰن بقید حیات تھے۔ مرحوم نے ترجمے پر نظر ثانی فرمائی اور بعض مقامات پر اپنے اختلافی حواشی ثبت فرمائے۔ ۱۹۴۲ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک یہ کتاب مسلسل رسالہ سیاست حیدر آباد میں شائع ہوتی رہی۔ اب اس کو کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

قرون وسطیٰ میں دنیا کے اُس حصے کی تہذیب کو جسے عام طور پر مشرق کہتے ہیں اسلامی یا عربی تہذیب کہا جاتا ہے۔ یہ تہذیب تمام تر مسلمانوں یا عربوں کی پیدا کی ہوئی نہیں تھی۔ صرف اتنا واقعہ صحیح ہے کہ مغربی ایشیا اور افریقہ کی وہ قومیں جنھوں نے یورپی تہذیب کی شمع گل ہونے کے بعد مدت دراز تک تہذیب و تمدن کی راہ نمائی کی تھی اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئیں تھیں۔ ان سب کے اظہار خیال کا مشترکہ ذریعہ عربی زبان تھی۔

تاریخ تہذیب میں لفظ "مشرق" کا اطلاق ان تمام ممالک و اقطاع پر نہیں ہوتا جو جغرافی لحاظ سے اس سمت میں واقع ہیں۔

Marfat.com

شمالاً روس کے تعلق سے مشرقی ایشیا کے صوبے اس کے جنوب میں واقع تھے۔ اس طرح اگرچہ اسلامی دنیا کے ایک حصہ کی حیثیت سے شمالی افریقہ کو بھی مشرق میں شمار کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ مغربی یورپ کے جنوب میں واقع ہے۔

"مغرب" کے مقابلے میں "مشرق" کا یہ تخیل درحقیقت رومی سلطنت کے زمانے میں پیدا ہوا۔ اہل یونان جنوب کے گرم سیر مہذب علاقوں کا مقابلہ شمالی حصہ سے کرتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق شمال میں صرف جنگجو وحشی آباد تھے۔ انہوں نے اصلاً دنیا کی جو تقسیم کی تھی اس کی تہہ میں یہی خیال کارفرما تھا۔ وہ یورپ کو افریقہ کے شمال اور طولاً پورے ایشیا کے اوپر تصور کرتے تھے۔ اگر انہیں سائبیریا کا علم ہوتا تو وہ اسے بھی یورپ ہی کا ایک حصہ قرار دیتے۔ ارسطو کے خیال کے مطابق سوائے یونان کے پوری دنیا کی آبادی کے دو حصے تھے: اوّل تو شمالی یورپ کے وحشی جو بہادر تو تھے لیکن سیاسی اور تمدنی ارتقا کے نااہل تھے اس کے بعد اہل ایشیا تھے جو مہذب تو ضرور تھے لیکن ان میں مردانگی کا فقدان تھا۔ دنیا کا وسطی حصہ یونانیوں کو حاصل تھا۔ یہ ایسا خطہ تھا جہاں کی آب و ہوا تہذیبی نشو و نما اور مردانگی کو قائم رکھنے کے لئے موزوں تھی۔ اس لیے تمام کائنات پر مسلط ہونا ان کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ ارسطو کے

Marfat.com

شاگرد سکندر نے اپنے استاد کے اس خواب کو ایک حد تک صحیح بھی ثابت کر دکھایا تھا۔ اس کی فتوحات کی وجہ سے مغربی ایشیا اور مصر، یونان کی سیاسی و تہذیبی اثرات سے متاثر ہوا اور دو نام نہاد یونانی تہذیبی دنیا پیدا ہوئی جس میں یونانیوں پر ایشیا کا بالخصوص سیاسی زندگی کا اثر اکثر اتنا زیادہ نمایاں رہتا تھا کہ خود ایشیا پر یونان کا اثر اتنا نمایاں نہیں معلوم ہوتا لیکن اس کے باوجود سیاسی تفوق کھو دینے کے بعد بھی تہذیب میں یونانی ہی پیش پیش رہے کیوں کہ مشرق میں اشکانیوں کے Arsacus نے مقدونیوں اور یونانیوں کو رفتہ رفتہ دریائے فرات کے پار دھکیل دیا اور مغرب سے رومیوں نے بتدریج اسکندر کی بقیہ سلطنت فتح کر لی۔

رومیوں نے مصریوں کو اپنے تہذیبی اثرات سے متاثر کر کے ارسطو کے اس خیال کو غلط ثابت کر دکھایا کہ یونانیوں کے علاوہ یورپی قومیں تہذیبی ترقی کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ رومی جغرافیہ دانوں کے مطابق یورپ ایشیا کے مغرب میں واقع تھا نہ کہ شمال میں۔ استرابون (پہلی صدی عیسوی) کا خیال تھا کہ یورپ کی طبعی جغرافی اور موسمی خصوصیتیں تہذیبی نشو ونما کے لئے موافق تھیں۔ با ایں ہمہ اس نے اطالیہ کے جغرافی موقف کو خاص اہمیت دی ہے۔ کیوں کہ اس کے

Marfat.com

مطابق اطالیہ کی یہی خصوصیت تھی جس کی وجہ سے لامحالہ رومیوں کو عالمگیر معاملات میں حصہ لینا پڑا۔ اطالیہ اور روما ہی کی وجہ سے قانون، صنعت و حرفت اور میدان جنگ میں ایشیا پر یورپ کی فضیلت اسی طرح ثابت ہوئی تھی جس طرح کہ اہل یونان نے علوم و فنون میں ایشیا پر یورپ کی برتری ثابت کردی تھی۔ لیکن "مشرق" و "مغرب" کے الفاظ کا رومیوں کے پاس ایک علحدہ ہی مفہوم تھا۔ نظم و نسق کی اصطلاح میں لفظ مشرق (Oriens) کا اطلاق رومی سلطنت کے اُن حصوں پر ہوتا تھا جن پر سکندر کی حکومت رہ چکی تھی اور جو جزیرہ نمائے بلقان سے شروع ہوتے تھے۔ رومیوں کے نزدیک یونانی رومی دنیا ایک کل کی حیثیت رکھتی تھی۔ ایک تعلیم یافتہ رومی کے لئے دونوں زبانوں کا جاننا ضروری تھا: لاطینی اور یونانی، بعض اوقات "مشرق" کا لفظ اشکانی سلطنت کے اُن حصوں کے لئے بولا جاتا تھا جو رومی سیادت کے حلقۂ اثر سے باہر تھے۔ استرابون کا خیال تھا کہ اشکانیوں کا، آخرکار، رومیوں سے مغلوب ہونا ایک ایسا واقعہ تھا جو مستقبل قریب میں ظہور پذیر ہوکر رہے گا۔ طاسی طوس جو استرابون کے ایک صدی بعد گزرا ہے، اسے اس کی اتنی زیادہ امید نہیں تھی۔ لیکن اُسے یقین تھا کہ رومی اقتدار

کے لئے "مغلوب مشرق" اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا کہ جرمانی قبیلے ہیں۔ "جرمانی قبیلوں کی آزادی کی تمنا ارساکوس کی شہنشاہی سے زیادہ خطرناک ہے"۔ لیکن طاسی طوس کا یہ خیال غلط نکلا۔ کیوں کہ واقعہ یہ ہوا کہ سلطنت روما کے جرمانی قبیلوں سے پامال ہونے سے بہت پہلے اس کے اقتدار پر مشرق ہی سے ایک سخت ضرب لگی۔ تیسری صدی عیسوی میں ارساکوس کی کمزور سلطنت کی جگہ ساسانوں نے لی۔ چوتھی صدی عیسوی میں رومیوں کو بحیرۂ خزر سے بے دخل کر دیا گیا جہاں وہ پامپیؒ کے زمانے میں پہنچ چکے تھے۔ ساسانیوں کے تحت ایرانی پھر روما کے زبردست مد مقابل بن گئے اور انھوں نے عالم گیر تجارت کے ان بری و بحری رستوں پر قبضہ کر لیا جو چین اور ہندستان کو جاتے تھے۔ تہذیب کی رہنمائی جو اس وقت مغرب سے مغربی ایشیا کی طرف منتقل ہوئی وہ مسلمانوں کے زمانہ میں آخر کار قطعی اور مستقل ہو گئی۔

نصرانیت، اسلام اور اس کے بعد قدیم یونانی اور رومی علوم و فنون کے احیاء کے زیر اثر اہل یورپ کے لئے مشرق کا مفہوم پھر بدل گیا۔ اب ایک نہ ایک مشرقی زبان کا جاننا اہل یورپ کی تکمیل تعلیم کے لئے ضروری قرار پایا۔ سینٹ جروم اپنے متعلق کہتا ہے کہ وہ عبرانی، یونانی اور لاطینی سے واقف ہے۔ قرون وسطیٰ میں یورپ اور مغربی ایشیا کی تاریخ ایک ہی اور ہم جنس علاقہ کا جزو

Marfat.com

شمار ہوتی تھی۔ سترھویں صدی عیسوی تک یورپ میں اسیریا اور بابل، ایران، یونانی اور مقدونوی اور رومی سلطنتوں کے متعلق جو ایک دوسرے کے بعد گذری تھیں جو تصور قائم تھا، اس کا ماخذ دراصل عہد عتیق کی کتاب دانیال تھا لیکن اس کے باوجود اہل یورپ کے نزدیک اس میں شبہہ کی گنجائش نہیں تھی کہ رومہ کی حیثیت ایک عالم گیر نظام کی تھی، اور سلطنت کے دو حصے ہو کر قسطنطنیہ کو "دوسرا رومہ" مان کر یہی خیال اس نئے شہر پر عاید کیا گیا اگر کہیں یہ معلوم ہوا کہ اس خیال میں رخنہ پڑ رہا ہے تو یہ لوگ اس رخنے کو محض وقتی اور ناجائز تصور کرتے تھے، اور اپنے پرانے خیال پر پہلے سے زیادہ مضبوطی سے قائم ہو جاتے تھے۔ مذہب پہلی چیز تھی جس کی وجہ سے یورپ اور غیر نصرانی (اور بعد کو غیر کیتھولکی) مشرق میں فرق قائم کیا گیا۔ قدیم یونانی اور رومی علوم کی نئی ترویج سے اس فرق کو قبل نصرانیت کے زمانے تک وسیع کر دیا گیا۔ دنیا کی تاریخ کو قدیم، وسطی اور حالیہ زمانوں میں تقسیم کرنے کا تصور سترھویں صدی عیسوی میں مقبول ہوا تھا اور جب یہ تصور اچھی طرح قائم ہو گیا تو پھر مشرق کے معنی ایک ایسی جغرافی وحدت کے ہو گئے جو قدیم زمانے میں یونانی رومی تمدن کے [illegible] ایسی ہی باہر رہی جیسی کہ وہ اس وقت یورپ کی [illegible]

اثر سے باہر تھی۔ جو لوگ تاریخ کی اس تقسیم پر اصرار کرتے ہیں ان کے نزدیک صرف قدیم تاریخ ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی تاریخ یونانیوں ہی سے شروع ہوتی ہے۔

انیسویں صدی عیسوی کی تاریخی تحقیقوں کے باوجود ایسے کلاسکی ماہر لسانیات گذرے ہیں جن کا دعویٰ تھا کہ یونان کی تاریخ کو قدیم مشرقی تاریخ کا تسلسل سمجھنا چاہیئے۔

اکثر مورخوں کو اب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یونانی تاریخ شروع ہونے سے پہلے مغربی ایشیا اور مصر میں ایک مکمل تہذیب کا سلسلہ موجود تھا اور یونانیوں کی تہذیب کی طرح یہ تہذیب بھی کسی ایک قوم کی قابلیت کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ اس کی تشکیل ہمیشہ بڑھتے ہوئے بین الاقوامی تعلقات کے اثر کی وجہ سے ہوئی تھی۔ روسی مورخ نے اپنی کتاب "قدیم مشرق" میں لفظ مشرق کو ان ہی معنی میں استعمال کیا ہے۔ گویا مشرق سے مراد وہ خطۂ ارض ہے جو قفقاز اور وسط ایشیا سے لے کر بحر ہند تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں وہ حصے بھی شامل ہیں جو افریقہ کی جھیلوں کے اطراف اور ایران و ہندوستان کی سرحدوں کے درمیان آبنائے جبل الطارق تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس مورخ کا خیال ہے کہ "ان ملکوں کی قدیم تاریخ تمام تر ایک مکمل وحدت ہے۔"

Marfat.com

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ تاریخ عالم کے ایک جزو کی حیثیت سے "تاریخ مشرق" کی تعبیر میں قدیم دنیا کے اصلی مشرقی ممالک جیسے ہندوستان اور چین شامل نہیں ہیں۔ بعض مورخوں نے ان ملکوں کے لئے مشرق اقصیٰ کا لفظ تجویز کیا ہے۔ ان عالموں نے اس بات پر توجہ دلائی ہے کہ مشرق اقصیٰ کی تاریخ تہذیبی ترقی کا ایسا مرقع پیش کرتی ہے جو مغربی اثرات سے بالکلیہ آزاد ہے۔ لیکن اس کے برخلاف ان کے نزدیک یورپ اور "مشرق قریب" کی تہذیب ایک ہی قسم کے اصولوں سے ماخوذ ہے۔ ان کی حجت یہ ہے کہ "مشرق اقصیٰ" کی تاریخ ایسا مواد فراہم کرتی ہے جس سے ہم تاریخ کے ان قوانین کی تصدیق و تکمیل کر سکتے ہیں جو تاریخ مغرب کے مطالعہ سے مستنبط ہیں۔ گو اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قدیم زمانہ میں ہندوستان پر بھی مشرقی ایشیا کی تہذیب کا اثر تھا، چنانچہ سنسکرت کے حروف ہجی اسی سے ماخوذ ہیں اور چین پر ہندوستان کا اثر رہ چکا ہے۔ پھر بھی مشرق اقصیٰ کو ایک مخصوص تہذیبی وحدت سمجھنا چاہیئے کیونکہ مشرق قریب درحقیقت یونانی و رومی تہذیب سے مشرق اقصیٰ کے مقابلے میں قریب تر ہے۔ لیکن خارجی اثرات اور اچانک حملوں کے باوجود ہندوستان یا چین کی تہذیبی روایتوں میں کوئی خلل نہیں پڑا۔ اس کے برعکس مشرق قریب کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ یورپی علماء کو مصر کے تصویری خطاء

اشوری زبان اور ایران کے میخی خط کو پڑھنے کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑی تھی۔

قدیم دنیا کے مغربی حصوں کی تغیر پذیر اور غیر یقینی زندگی کا مقابلہ مشرقی حصہ سے کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی اسی غیر یقینی حالت کی وجہ سے مغربی حصوں پر وہ فرض عائد ہوا تھا جو ہمیشہ اس خطے کے رہنے والے ادا کرتے رہے۔ مشرق بعید کے تعلق سے "مغرب"[1] کا لفظ اپنے وسیع ترین مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جس میں مغربی ایشیا، شمالی افریقہ اور یورپ شامل ہیں۔ تاریخ کے مختلف دوروں میں تجارتی راستوں کی سیادت مغربی ایشیا کی قوموں کے ہاتھ سے نکل کر کبھی اہل یورپ کے قبضہ میں چلی گئی یا اسکے برعکس عمل ہوا لیکن فنیقی ملاحوں کے زمانہ سے لیکر آج تک ہر دور میں اس طرح کے اختراع و ہدایت کی صلاحیت مغربی اقوام ہی کا حصہ رہی ہے۔ ہندوستان یا چین کی تاریخ میں ہمیں کہیں ایسی مثالیں نہیں ملتیں جن سے معلوم ہو کہ ان ملکوں نے مغربی ملکوں کی خارجی تجارت پر قبضہ جمانے یا ان پر اپنے معاشی یا سیاسی نظام عائد کرنے کی

---

[1] یعنی مغربی ایشیا، شمالی افریقہ اور یورپ۔ (مترجم)۔

Marfat.com

بالارادہ جد و جہد کی ہو۔

فی الوقت یہ نظریہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ قوموں کے آپس کے تعلقات ہر زمانہ میں تمدنی ترقی کا خاص عنصر رہی ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال کو نسلی خصوصیات سے سمجھایا جا سکتا ہے، نہ مذہبی عقیدوں سے بلکہ قدرتی ماحول کے ذریعہ سے بھی ان کی تفہیم نہیں ہو سکتی۔ تاریخ کے مختلف دوروں میں قوموں کا جو بین الاقوامی موقف رہتا ہے دراصل اسی سے ان کے عروج و زوال کا تعین ہو سکتا ہے۔ دوسری قوموں پر ہندی یورپی قوموں کی نسلی برتری خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن ان بین الاقوامی تعلقات کے بغیر وہ ایسے ہی وحشی رہتے جیسے کہ تیرھویں صدی عیسوی تک تعوفی یا کوہ ہندوکش کے کافر رہے تھے۔ اسی طرح اسلام کے مقابلہ میں نصرانیت کی فوقیت کے متعلق خواہ کیسے ہی دلائل و براہین پیش کئے جائیں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ عالم اسلام کی تہذیب اس وقت تک برابر نصرانیوں کی تہذیب سے اعلیٰ و برتر رہی جب تک کہ مسلمان عالمگیر تجارت کے راستوں پر قابض و متصرف رہے۔ علاوہ بریں دنیا کے دوسرے حصوں سے مقابلہ میں موسم اور طبعی جغرافی حالات کی بنا پر اہل یورپ اپنی برتری کا کتنا ہی دعویٰ کریں لیکن

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ اہل یورپ نے اسی وقت دوسروں پر اپنا تسلط قائم کرنا شروع کیا جب انھوں نے دنیا کے تہذیبی تعلقات کی صف میں اپنی جگہ حاصل کرلی۔ اسلام کے مادی تمدن کے عروج و زوال کا انحصار اسلامی عقیدوں پر اتنا نہیں جتنا کہ مذکورۂ بالا عنصر پر ہے۔ اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ عروج و زوال اسلامی دنیا کی کسی خاص قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

نصرانی مغرب اور اسلام میں اسکی اہمیت

جیسا کہ روسی مورخ تیورف Tureef نے بیان کیا ہے کہ نصرانیت نے ایک نیا نقطۂ نظر پیش کیا۔ اس نقطۂ نظر سے یونانی رومی لامذہبی اور کلاسکی مشرق کے خلاف ایک کامیاب کش مکش کی ابتداء ہوئی۔ مشرق میں نصرانیت ابھی ایک نئی دنیا پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی کہ ایک دوسرا دین اس کے مقابلے کے لئے پیدا ہو گیا۔

نصرانیت اور لا مذہبی کی کش مکش صرف مذہبی میدان ہی تک محدود نہیں تھی۔ اکثر و بیشتر نصرانی مبلغ لا مذہب قوموں کے علوم اور فنون دونوں سے مساوی طور پر متنفر تھے، اور اس کی

Marfat.com

وجہ یہ تھی کہ ان علوم وفنون کا تعلق ان اقوام کے مذہبی عقیدوں سے بہت گہرا تھا۔ اسکے علاوہ ابتدائی صدیوں کے نصرانیوں کو دنیا کے جلد ختم ہو جانے کا اتنا زبردست یقین تھا کہ انہوں نے علمی تہذیب اور مادی تمدن کے کارناموں یا حکومت کے کاموں سے کوئی اہمیت وابستہ نہیں کی۔

یہ صحیح ہے کہ لامذہبوں کے فنون اور ان کی تہذیب کے زوال میں جن سے درحقیقت بہت ہی کم کچھ لوگ فیض یاب ہوتے تھے کلیسانے بڑا حصہ لیا ہے لیکن اسکے باوجود اس نے عام لوگوں کے تہذیبی معیار کو بلند بھی کر دیا۔ کلیسا نے لامذہب اقوام میں انجیل کی تبلیغ خود انکی مادری زبان میں کی اور ایسے پیرائے میں کی جو انکی ضرورتوں کے مناسب تھا۔ اسکی وجہ سے عام پسند ادب پیدا ہوا اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے اسوقت تک اس قسم کا ادب صرف چند ہی ملکوں میں موجود تھا۔ اب عام لوگ بھی بالخصوص ان علاقوں میں جہاں کے سیاسی حالات شہری زندگی کی بقا و ترقی کے لئے موزوں تھے۔ مذہبی بحثوں میں حصہ لینے لگے۔ اس لحاظ سے رومی سلطنت کے دوسرے حصوں کی بہ نسبت ایشیائی صوبوں اور مصر کی حالت زیادہ بہتر تھی۔ خاص طور پر اس دور میں جبکہ مغرب جرمانی وحشیوں کا شکار رہا اور جزیرہ نمائے بلقان پر سلاقوں کا سیلاب آیا جنہوں نے بہت سے مقاموں پر تقریباً

تمام مہذب آبادی کو تہہ تیغ کردیا۔

یونانی دور میں مغربی ایشیا اور مصر میں ایسے نئے نئے شہر آباد ہو گئے تھے جن کی وجہ سے قدیم شہر گمنامی میں پڑ گئے تھے۔ مصر میں اسکندریہ، شام میں انطاکیہ اور دریائے دجلہ کے کنارے سلوقیہ وسعت میں رومہ سے دوسرے درجہ پر تھے۔ یونانیوں کے آباد کردہ بڑے بڑے شہروں میں ان علاقوں کے اصلی باشندے آبادی کا ادنیٰ طبقہ سمجھے جاتے تھے اور نصرانی مبلغوں نے خاص طور سے اس طبقہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ بین الاقوامی یونانی زبان میں لکھی ہوئی مقدس نصرانی کتابوں کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں خصوصاً سریانی اور قبطی میں ترجمہ اور تقلیدی رنگ کا ادب پیدا پیدا ہونا شروع ہوا۔ نصرانیت نے جب رومی سرحدوں سے آگے قدم بڑھایا تو دوسری زبانوں جیسے افریقہ میں نوبی اور حبشی زبان میں اور ایشیا میں ارامی، جارجی اور دوسری ایشیائی زبانوں میں بھی نصرانی ادب کی ابتدا ہونے لگی چھٹی صدی عیسوی کے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بھی عربی زبان کلیسا کے روزمرہ کاروبار میں استعمال ہوتی تھی لیکن ہمیں کوئی ایسی شہادت دستیاب نہیں ہوتی جس سے معلوم ہو کہ زمانہ قبل اسلام میں بھی عربی زبان میں نصرانی ادب موجود تھا۔ نصرانیت کی مزید ترقی اور اسکی تہذیبی کامیابی دونوں کا رومی اور ایرانی

Marfat.com

سلطنت کی کش مکش سے تعلق ہے۔ یہ تعلق خاص طور پر دریائے دجلہ و فرات کی وادی میں رو بہ عمل آیا۔ جہاں مقامی سردار جنگ کا رُخ دیکھ کر بلا تامل اپنے ساتھی کو دغا دیکر دوسرے سے ملجایا کرتے تھے۔

دریائے فرات کے مشرق کی جانب میں شمال کے راستے پر جو پہلا شہر رُہا (انگریزی میں اڈیسہ اور آج کل ترکی میں ارفہ) ملتا ہے اس کو نصرانی تاریخ اور شامی تہذیب میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔ رُہا کا بادشاہ آگرہم (۹ء۱۶ تا ۱۲۱۲ء) حکمرانوں میں پہلا شخص ہے جس نے نصرانیت قبول کی۔ بعد کے نصرانی قصوں میں تبدیل مذہب کو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا واقعہ بتایا گیا، نہ صرف یہ بلکہ اس سردار اور حضرت مسیحؑ میں نام نہاد نامہ و پیام ہونا بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ غرض رُہا شامی تہذیب کا مرکز قرار پایا اور یہی وہ مقام ہے جہاں سب سے پہلے شامی علوم کا مرکز قائم ہوا۔ پانچویں صدی عیسوی میں اسی شہر میں نام نہاد ایرانی مذہبی مدرسہ موجود تھا۔ اس مدرسہ نے ایران میں نصرانیت کی تبلیغ و تقویت پر گہرا اثر پیدا کیا۔ اس سے رُہا ہی میں پہلا شامی مصنف یاردسان (۱۵۵ عیسوی تا ۲۲۲ عیسوی) پیدا ہوا تھا۔ یہ شخص نسلاً لا مذہب تھا، بعد کو نصرانیت قبول کی لیکن پھر اپنے آبائی دین کی طرف پلٹ گیا۔ یہ شخص اس نام نہاد غناسطی نظام کے آخری عالموں میں تھا جو لا مذہب اور مذہبی فلسفہ سے مرکب تھا اور جس میں کچھ

135485

Marfat.com

نصرانی تخیلات کی بھی آمیزش ہوگئی تھی۔ یہ نظام عہد نامۂ عتیق کا مخالف تھا۔ بلاشبہ بردیسان کی تعلیم نے مذہب مانی کو بھی متاثر کیا ہے جو تیسری صدی عیسوی میں بمقام بابل جو اس زمانہ میں ایران کا ایک صوبہ تھا، ظاہر ہوا تھا۔

نصرانی مبلغوں کو غناسطیت اور لا مذہبی فلسفے سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا اس لئے ان کو فلسفیانہ دلیلیں استعمال کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس لئے اسی سلسلے میں بہت سے فلسفیانہ و مذہبی مکاتب وجود میں آئے۔ اسکندریہ کے مکتب خیال کی بنیاد افلاطون کی تعلیم اور انطاکیہ کی بنیاد ارسطو کی تعلیمات پر تھی۔ چوتھی صدی عیسوی میں خود نصرانی کلیساؤں میں مذہبی مناقشے ہونے لگے تھے۔ پانچویں صدی عیسوی میں، گویا یورپ میں اس واقعہ کے پیش آنے سے بہت پہلے مشرقی نصرانیوں کے کلیساؤں میں افتراق پیدا ہوچکا تھا۔ راسخ العقیدہ کلیسا، جو اس زمانے میں اس وجہ سے "ملکی" کہلاتا تھا کہ اسکا تعلق "ملک" (یعنی بادشاہ) سے تھا، اور اسی لئے سرکاری کلیسا سمجھا جاتا تھا، یعقوبی فرقہ کے لوگ اس وجہ سے الگ ہوگئے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی مجرد خدائی فطرت کے قائل تھے۔ اس کے علاوہ نسطوری تھے، جو اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰؑ خدائی اور انسانی عناصر دو مختلف شخصیتوں میں ظاہر ہوئے تھے۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ کنواری مریم کو "خدا کی ماں" کہنا صحیح نہیں ہے۔ نسطوری بازنطینی سلطنت میں طرح طرح کی

اذیتوں اور تکلیفوں کا شکار ہوئے، اور آخر وہاں سے نکل کر انھوں نے ایران میں پناہ لی جہاں اس زمانے میں نصرانیت کے ساتھ بُرا سلوک ہو رہا تھا۔ بہرطور دریائے دجلہ کے کنارے سلوقیہ میں نصرانی مذہبی عالموں کی ایک مجلس منعقد کرنا ممکن ہوگیا۔ ۴۸۳ عیسوی کی مجلس میں ایرانی نصرانیوں نے نسطوری عقیدے تسلیم کر لینے کا فیصلہ کیا۔ اس واقعہ کے چھ سال بعد رُہا کے نسطوری بھی ایران بھاگ گئے کیوں کہ وہاں کے "ایرانی" مدرسہ کو اس کی نسطوریت کی باعث شہنشاہ زینو نے تباہ کر دیا تھا۔

پانچویں صدی عیسوی میں ساسانی ایران ان تمام مہذب فرقوں — لا مذہب یہودی اور نصرانی ملحدین — کا ملجا و ماوٰی بن گیا جنھیں بازنطینی سلطنت میں زندگی گزارنا ناممکن ہوگیا تھا۔ اس زمانہ سے کچھ پہلے ساسانی بادشاہوں نے بعض دشت شامی شہروں کے باشندوں کو ایرانی سرحد میں آکر توطن اختیار کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اس قسم کا پہلا واقعہ اس وقت پیش آیا جب شاپور اوّل (۲۴۱ عیسوی تا ۲۷۲ عیسوی) رومی شہنشاہ ویلے رین کو گرفتار کرنے کے بعد انطاکیہ اور دوسرے شہروں کے باشندوں کو ایران لے آیا اور خوزستان میں اپنے بسائے ہوئے شہر جندے سابور میں انھیں رہنے پر مجبور کیا۔

Marfat.com

یہ شہر رفتہ رفتہ ترقی کر کے وسعت کے لحاظ سے ساسانی شہنشاہیت میں دوسرے درجہ کا مقام بن گیا۔ اور یہی وہ شہر تھا جہاں خسرو اول (۵۳۱ء تا ۵۷۹) کے زمانہ میں یونانی شاہی طب کا مشہور مدرسہ قائم ہوا جس کا اثر زمانۂ مابعد میں عربوں کی طب پر اتنا گہرا پڑا۔

شام کے شہری باشندوں کو غلام بنا کر ایران لیجانے کا دستور اس لئے پڑا کہ ان سے مختلف صنعتیں جاری کرنے میں مدد ملتی تھی اور خصوصاً پارچہ بافی کے کام میں فروغ ہوتا تھا۔ رومی شہریوں میں جو لوگ صناع و کاریگر تھے ان سے ساسانی شہنشاہوں نے اسی طرح کا کام لیا اور ان سے قلعے تعمیر کرائے خصوصاً نہریں کھدوانے میں مدد لی۔

پانچویں صدی عیسوی سے ساتویں صدی عیسوی تک سلطنت بازنطینی کی جو حالت تھی اس کا مقابلہ ہم عصر ساسانی ایران سے کیا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تہذیب میں بازنطین کو ایک بلند مرتبہ حاصل تھا اور ایران اس وقت ایک ترقی پذیر ملک تھا جس ترقی پسندی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس میں ہمیشہ وہاں کے حکمرانوں کا قصد و ارادہ پوری طرح شامل نہیں ہے۔ تیسری صدی عیسوی میں ایران میں ساسانی شہنشاہی کا عروج مذہبی اور ذات بندی نظام کے

Marfat.com

ایک ردِ عمل کا نتیجہ تھا۔ بیرونی تہذیب سے روشناس ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب اور ذات بندی کی بنیاد متزلزل ہوگئی۔ ایران میں قومی نصرانی کلیسا بنتے گئے اور مذہبی اوراد وظائف فارسی زبان میں پڑھے جانے لگے۔ اس چیز نے وسط ایشیا و چین میں صرف نصرانیت کی تبلیغ ہی میں مدد نہیں دی بلکہ ملک کے مستقبل پر بھی اس کا اثر پڑا۔ ایران کے مسلمان آج بھی دنوں کے وہی نام استعمال کرتے ہیں جو ایرانی نصرانیوں نے رکھے تھے۔ عرب مسلمانوں کے رکھے ہوئے ناموں نے وہاں رواج نہیں پایا۔ چھٹی صدی عیسوی کے اواخر تک ذات بندی میں عظیم الشان تغیر ہو چکا تھا۔ کاریگروں اور سوداگروں کے پہلو بہ پہلو کاشتکاروں کا طبقہ بھی پیدا ہو چکا تھا۔ تیسرا طبقہ کاشتکاروں پر مشتمل ہونے کے بجائے سرکاری عہدہ داروں پر مشتمل تھا۔ اس طبقہ کے سردار دربار میں مذہبی پیشواؤں اور فوجی امیروں کے برابر بیٹھتے تھے۔ عوام الناس کی سعی و کوشش سے بہت زیادہ ترقی کا اظہار ہوتا تھا۔ مزدکیوں نے ذات بندی تنظیم کی مخالفت کرکے اُس کے بجائے اشتمالی قسم کا نظام رائج کرنا چاہا جس میں نہ صرف یہ کہ ملکیت ہی کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی بلکہ اس سے خاندانی حقوق بھی باقی نہیں رہ سکتے تھے۔

بر سبیل اطلاق دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

Marfat.com

چھٹی صدی عیسوی میں ایران بیرونی ادب و سائنس سے تعلق و روشناسی کے دور سے گزر رہا تھا۔ لیکن یہی زمانہ بازنطیہ میں لامذہبیت کی تہذیبی روایتوں کا دور ہے۔ ہندوستان سے ایران میں آئی ہوئی حکایتوں یعنی کلیلہ و دمنہ کا فارسی ترجمہ اسی عہد میں ہوا جس نے دنیا کے ادب پر زبردست اثر ڈالا ہے۔ یونانی فلسفہ کا رواج بھی ایران میں اسی زمانہ میں ہوا۔ پال ایرانی نے ارسطو پر ایک کتاب سُریانی زبان میں لکھ کر خسرو اول کے نام معنون کی۔ اس کتاب میں وہ عقیدہ پر علم کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ علم شک سے بری ہونے کی وجہ سے قوموں میں مفاہمت و ہم آہنگی قائم کرنے میں مدد دیتا ہے لیکن اس کے برخلاف عقیدہ ہمیشہ مجہول سے بحث کرتا اور صرف اختلاف و افتراق پیدا کرنے کا سبب ہوتا ہے۔

ساتویں صدی عیسوی میں اسلام کی فتح سے کچھ ہی پہلے ساسانی ایران کی تجارت اور صنعت و حرفت اپنے انتہائی درجہ تک ترقی کر چکی تھی۔ اس کے بعد کے دور میں مذہب مانی کے متعلق ترکی اور چینی زبانوں میں مختلف رسالے لکھے گئے کیونکہ سُغدانیہ میں نصرانیت نے مانوی مذہب کی سی شکل اختیار کر لی تھی۔ ان رسالوں سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ ایران سے نہایت زبردست تبلیغ جاری تھی۔ تاجروں کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

مبلغ بھی پہنچنے لگے۔ ہندوستان میں پارسی اور نصرانی نوآبادیاں بھی اسی دور میں قائم ہوئیں۔

مسلمانوں کی فتوحات سے پہلے ایران اور بازنطیہ میں ایک طویل جنگ ہو چکی تھی (۶۰۴ء تا ۶۲۳ء) ایک وقت تو بازنطیہ کے تمام ایشیائی صوبے اور اس کے ساتھ مصر بھی ایرانیوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ ان صوبوں کے ایرانی عامل کا صدر مقام اسکندریہ تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ شامی شہروں کی بہ نسبت اس گھر پر زیادہ تباہی نہیں آئی تھی چھٹی صدی عیسوی میں انطاکیہ پر بُرا زمانہ آیا تھا کیونکہ ۵۲۶ء میں یہاں ایک زلزلہ آیا اور ۵۴۰ء عیسوی میں اس کو ایرانیوں نے پامال کیا۔ قیصر جسطی نین نے انطاکیہ کو دوبارہ تعمیر کیا لیکن مختصر پیمانہ پر۔ ساتویں صدی عیسوی میں ایرانیوں نے شام کے کئی شہر تباہ و تاراج کئے اور وہاں زیتون کے جھنڈوں کو زمین کے برابر کر دیا۔ یہ تباہی ایسی سخت تھی کہ پورے سو سال بعد بھی اسکے آثار نمایاں تھے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ایرانی قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے تھے۔ اسلئے بہت ممکن ہے کہ ایشیائے کوچک بھی ان کے تباہ کن ہاتھوں سے نہ بچا ہو۔ لیکن جب جنگوں میں قسمت نے قیصر ہیراکلیوس کا ساتھ دینا شروع کیا تو ایران کے سرحدی علاقوں کو بھی نہ صرف یونانیوں بلکہ انکے ساتھی خزریوں کے ہاتھوں

Marfat.com

وہی سلوک برداشت کرنا پڑا جو ایرانیوں نے انکے ساتھ کیا تھا۔ معاہدۂ امن نے بازنطیہ کو اس کے سابقہ علاقے واپس دلا دیئے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ کی رو سے عراق کے شمال میں ایک حد تک اسکی سرحدیں پہلے سے زیادہ وسیع ہوگئیں۔ ان شکستوں کی وجہ سے ایران میں خسرو دوم (۶۲۸ء) کو زوال ہوا اور مسلسل بغاوتوں کا دور شروع ہوگیا۔ لیکن بازنطیہ بھی اس جنگ کی وجہ سے کم زور پڑ گیا۔ علاوہ بریں جب سلطنت بازنطیہ کا اقتدار دوبارہ قائم ہوا تو ملحدوں، یہودیوں اور لامذہبوں پر پھر زیادتیاں ہونے لگیں۔ ان سختیوں کی وجہ سے یہ لوگ قدرۃً عربوں کے حلیف بن گئے۔ حتیٰ کہ ہیراکلیوس ہی کی زندگی میں جس کا انتقال (۶۴۱ء) میں ہوا، یونانیوں کو مجبور ہونا پڑا کہ ایشیائے کوچک کے سوا اپنے تمام تو مقبوضہ علاقے عربوں کے حوالہ کردیں۔ صرف چند ہی مقاموں پر عربوں کو حقیقی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مصر پر صرف چار ہزار سپاہیوں کی مدد سے فاتحانہ قبضہ عمل میں آیا تھا، اور شمالی عراق جس آسانی سے فتح ہوا اس نے تو خود فاتحوں کو حیرت میں ڈال دیا۔

بازنطی، ادب و تہذیب کی تاریخ میں جو دور سب سے کم درخشاں سمجھا جاتا ہے وہ ساتویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے اور نویں صدی عیسوی کے وسط پر ختم ہوتا ہے۔ اس

Marfat.com

انحطاط کی وجہ یقیناً ایرانیوں اور عربوں سے بازنطینیوں کی جنگیں ہیں جسکے بعد ہی تحریک بت شکنی کی وجہ سے خود ملک کے اندر اختلاف و انتشار پیدا ہو گیا۔ اسکے علاوہ بہت سے انتہائی مہذب ملکوں کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے بازنطیہ کی زندگی پر ردِ عمل کا ہونا ضروری تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ایشیائے کوچک کی طرف خلافت کی سرحدیں سابقہ تیزی سے وسیع نہیں ہوئیں تاہم اس علاقہ کو متعدد مرتبہ تباہ کن حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ہی وہ خطہ تھا جس نے نصرانی فن کو چھٹی صدی عیسوی میں ایا صوفیہ کے گرجا کی تعمیر کے لئے معمار مہیا کئے تھے۔

جو علاقے خلافت کے قبضے میں جا چکے تھے ان کی حالت بہت زیادہ اچھی تھی درآں حالیکہ یہ واقعہ ہے کہ مختلف دوروں میں یہ علاقے بھی انتشار سے مستثنیٰ نہیں رہتے تھے۔ اسلامی تسلط کے ابتدائی دور میں نصرانیوں کی حالت بہ نسبت بعد کے زمانہ کے بہتر تھی۔ ابتدا میں فاتحوں کے پاس اپنا قومی تمدن نہیں تھا اس لئے ان کو تعلیم یافتہ غیر مسلموں کی امداد کی ضرورت تھی اور اس طبقہ میں نصرانیوں کو بہت بلند درجہ حاصل تھا۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مصر، شام اور عراق میں یونانی و شامی علم و ادب کے بہت سے ممتاز افراد گذرے ہیں جن کے نام

Marfat.com

رہنے والا یعقوب (تقریباً ۵۴۰ء عیسوی تا ۸۰۰ء عیسوی)
خاص طور پر مشہور ہے۔ کلیسائی مورخوں کا خیال ہے کہ یعقوبی
کلیسا سے اس شخص کو وہی تعلق ہے جو سینٹ جروم کو رومہ کے
کلیسا سے تھا۔ قدیم زمانوں کی طرح اس زمانہ میں بھی دریائے
فرات کے کنارے دنیا کے تہذیبی نشو و نما کے مرکز بنے۔ نصرانی
مدرسوں کے علاوہ یہاں یہودیوں اور مانیوں کے علمی مرکز بھی
تھے۔ مسلمان ایک عالمگیر قوت بن گئے تو ان کے تجارتی تعلقات بھی
بہت زیادہ وسیع ہو گئے۔ ان تعلقات سے تبلیغ کے لئے خود
مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلموں نے فائدہ اٹھایا۔ ان غیر مسلموں کی
کامیاب تبلیغ کو اسی اسلامی دور سے منسوب کرنا چاہئے چنانچہ
اس زمانے میں نصرانیوں اور مانویوں نے چین اور منگولیا کے
باشندوں کو اپنے مذہب میں ملا لیا اور یہودیوں نے قفقازیوں
اور دریائے والگا کے کنارے بسنے والوں کو دین موسوی میں شامل کر لیا۔

نصرانی فن کی تاریخ میں اس دور کی اہمیت کے متعلق ہمارا
تصور زیادہ واضح نہیں ہے۔ اب یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ
مسلمان حکمرانوں نے اپنی عام اور مذہبی عمارتوں کی تعمیر میں
نصرانی اور ایرانی کاریگروں کی خدمات سے استفادہ کیا تھا۔
کاریگروں کو قومی معاشی برادریوں میں تقسیم کر کے ہر ایک برادری
سے مخصوص عمارتیں بنوانے کا کام لیا جاتا تھا، یا بڑی بڑی عمارتوں کے

Marfat.com

مختلف حصوں کی تعمیر ایک ایک برادری کے ذمہ ہوتی تھی۔ بعض بڑے بڑے گرجاؤں پر مسلمانوں نے جبراً قبضہ کرلیا تھا جیسے دمشق میں سینٹ جان کا معبد جس پر آٹھویں صدی عیسوی میں ایک شاندار مسجد تعمیر کی گئی۔ قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اس کے جنوبی دروازوں پر ابتدائی عمارت کے آثار آج تک باقی ہیں جہاں کوئی شخص یونانی زبان میں لکھا ہوا کتبہ اب بھی پڑھ سکتا ہے:-

"اے یسوع مسیح! تیری حکومت ہر زمانہ میں رہے گی اور ہر نسل پر تیرا ہی تسلط رہے گا۔" لیکن عام طور پر نصرانیوں کو ان کی عبادت گاہوں کے قبضہ پر بحال رکھا گیا تھا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ اسلامی حکومت کے زیر سایہ مدت دراز تک نہ صرف نئے نئے گرجے تعمیر کئے گئے بلکہ جدید خانقاہیں بھی بنتی گئیں اور مسلمانوں نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ حضرت عمرؓ کا وہ نام نہاد معاہدہ جس کی رو سے گویا خود نصرانیوں نے یہ پابندی قبول کی تھی کہ وہ نئے گرجا تعمیر کریں گے اور نہ پرانے گرجوں کی ترمیم کریں گے، بہت بعد کے مورخوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ پرتگال کے جنوب مغربی کنارے پر سینٹ ونسینٹ کے کلیسا سے لے کر سمرقند تک کے وسیع اسلامی علاقہ میں ہم کو ایسے بہت سے مالدار نصرانی ادارے ملتے ہیں جن کو اسلامی حکومت کی

Marfat.com

طرف سے زمینیں عطا ہوئی تھیں۔ اسلامی ممالک کے نصرانی باشندوں کو بقیہ نصرانی دنیا سے تعلقات قائم رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی اور نہ ان کو اپنے اداروں کے لئے بیرونی عطیے قبول کرنے سے روکا جاتا تھا۔ مجلس قسطنطنیہ (۸۶۹ء تا ۸۷۰ء) میں اور شلیم کی نمایندگی ایک نصرانی مندوب نے کی تھی۔ خلافت کے مختلف علاقوں کے نصرانی بھی آپس میں قریبی تعلق رکھتے تھے۔ اسلامی فتح سے قبل صرف مصر ہی ایسا ملک تھا جہاں صنعت و حرفت ترقی پر تھی لیکن خلفاء نے شامی ساحل خصوصاً عکہ اور صور میں صنعت و حرفت کو زندہ کیا۔ ۷۲۰ء سے کچھ ہی پہلے فلسفہ یونان کے اصول اسکندریہ سے دوبارہ انطاکیہ تک پہنچ چکے تھے۔

آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے نصرانی ایسا واسطہ بن گئے جن کے ذریعہ سے مسلمان یونانی علوم سیکھنے لگے تھے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہی ہے کہ خلیفہ منصور (۷۵۴ء تا ۷۷۵ء) نے بازنطینی شہنشاہیت سے ریاضی کی کتابیں طلب کی تھیں۔ نویں صدی عیسوی میں یونانی کتابوں کو سریانی اور عربی میں منتقل کرنے والا خاص مترجم حنین بن اسحاق ایک عرب تھا۔ بازنطینی علاقہ میں رہ کر اس نے یونانی زبان و ادب کے مطالعہ میں دو سال صرف کیے اور وطن واپس ہوتے ہوئے بہت سے مخطوطے اپنے ساتھ لایا۔ پھر طور اب مسلمان بازنطینوں کے دست نگر ہوئے بغیر

Marfat.com

اپنے ہی شہر کے باشندوں کی مدد سے یونانی علم و ادب کا مطالعہ کر سکتے تھے۔ اگرچہ جندے شاپور کے طبیب اپنا علم و فن اس خیال سے اجنبیوں سے پوشیدہ رکھ کر، کہ کہیں ان کی اجارہ داری ختم نہ ہو جائے، صرف اپنے ہی عزیزوں کو نسلاً بعد نسل منتقل کرتے رہتے تھے لیکن اس کے باوصف یہاں کا طبی مدرسہ اسلامی فتح کے بعد بھی کئی سو سال تک برسرعروج رہا۔ معلوم نہیں خلیفہ مہدی (۷۷۵ء تا ۷۸۵ء) کا درباری ہئیت داں رُہا کا رہنے والا توفیل کبھی بازنطنیہ گیا تھا یا نہیں۔ بہرطور اس نے یونانی شاعر ہومر کی رزمیہ نظموں ایلیڈ اور اوڈیسی کو سُریانی زبان میں منتقل کیا تھا۔

نویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں اسلامی مملکت کے غیرمسلم اور غیرعرب عام مسلمانوں اور عربوں سے زیادہ تعلیم یافتہ تھے۔ عجمیوں کو گھمنڈ تھا کہ ان کی تہذیب عربوں کی تہذیب سے بہتر ہے۔ چنانچہ اس پندار نے بہت سی قومی تحریکیں پیدا کیں جن کو بہ حیثیت مجموعی شعوبیہ کہتے ہیں۔ بہرطور اس زمانہ کے عجمیوں میں قومی اور مذہبی تہذیب کو نئے قالب میں ڈھالنے اور اس کو وسعت دینے کا رجحان پایا جاتا ہے، ان عجمیوں میں بہت سی قومیتوں اور فرقوں کے نصرانی، یہودی، پارسی، زرتشتی اور عراق کے شہر حران کے رہنے والے قدیم یونانی بت پرستوں کے آخری نمایندے شامل تھے۔ یاد ہوگا کہ نویں صدی عیسوی میں

Marfat.com

یونانی فلسفہ کی تعلیمات انطاکیہ سے حران ہیں منتقل ہوئی تھیں۔ بازنطیہ میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز اسی صدی میں ہوا لیکن خلافت کو سلطنت بازنطینیہ پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل تھی کہ اس نے کثیر التعداد اور مختلف المزاج تہذیبی عناصر کو اپنے جھنڈے کے گرد متحد کر لیا تھا۔ قرآن کی پیش کردہ رواداری کی بدولت ان تہذیبوں کو اسلامی اقتدار کے زیر سایہ پھلنے پھولنے کا اس سے کہیں زیادہ موقع حاصل تھا جتنا کہ بازنطینی قیاصرہ کے زیر حکومت رہ کر انھیں ملتا، ہر گروہ میں اپنے ہی فرقہ یا اپنے ہی عقیدوں کو مبالغہ آمیز اہمیت دینے کا رجحان موجود تھا تاہم یہ چیز دوسروں سے علم حاصل کرنے میں مانع نہیں ہوئی چنانچہ نصرانیوں کی شاگردی مسلمان یا بت پرست بھی اسی طرح کرتے تھے جس طرح یہ غیر مسلم مسلمانوں کی شاگردی کرتے تھے۔ گو مسلمانوں کی بہ نسبت نصرانی قدیم یونانیت سے زیادہ قریب تھے کیونکہ یونانیت ان کی تہذیب کا مشترک ماخذ تھی لیکن اس کے باوجود رفتہ رفتہ نصرانیوں کے لئے اس علمی سیادت کو قائم رکھنا مشکل ہوتا گیا جس پر وہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں فائز تھے۔ اگر ہم عربوں اور ایرانی مسلمانوں کی زندگی کا مقابلہ مسلمانوں کے زیر سیادت رہنے والی دوسری قوموں سے کریں تو معلوم ہوگا کہ ان اقوام نے تنگ خیالی سے اپنے جھتے الگ الگ بنائے تھے اس لئے

Marfat.com

محدود اغراض نے ان کی قابلیتوں کو بروئے کار آنے کا کافی موقع نہیں دیا۔ یونانی علوم سے نصرانی نہ صرف مسلمانوں سے بہت پہلے واقف ہو چکے تھے بلکہ وہ ان کی بہ نسبت زیادہ گہری معلومات بھی رکھتے تھے لیکن اس کے باوصف نصرانیوں نے ان علوم کو نہ ایسی ترقی دی جیسی کہ مسلمانوں نے اور نہ مسلمانوں کی طرح ایسے علمی نمونے پیش کیے جن کی بنیاد پر مزید علمی کام انجام دیئے جا سکیں۔ حتیٰ کہ مشرقی نصرانی قوموں میں سب سے زیادہ روشن خیال قوم یعنی شامی نصرانیوں نے ایک بھی ایسا عالم پیدا نہیں کیا جس کا مقابلہ فارابی، ابن سینا، البیرونی یا ابن رشد سے کیا جا سکے۔ نصرانیوں اور بت پرستوں کے بڑے بڑے جیّد عالموں کے شاگرد ان کے ہم مذہب اتنے نہیں ہوتے تھے جتنے کہ مسلمان۔ اسلامی تہذیب کی روز افزوں ترقی کے اثر سے قدیم یونانیت سے شامی نصرانیوں کا تعلق منقطع ہوتا گیا حالانکہ سابق میں اسی تعلق سے یہ لوگ مسلمانوں پر اپنی فوقیت جتاتے تھے۔ اب ان کی اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں قدیم عربوں کے کلام و ادب کو وہ جگہ ملنے لگی جو پہلے یونانی زبان اور ادب کو حاصل تھی۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ مسلمانوں کی تہذیبی ترقی اور اس کے بعد کے زمانہ میں مشرقی نصرانیوں کی تہذیبی زندگی کوئی اہمیت نہیں رکھتی

و یہ سمجھنا صحیح ہوگا کہ دنیا کی تہذیب پر اُن کی اثر اندازی ختم ہو چکی تھی۔ علوم و فنون میں مدت دراز تک مسلمانوں کی برتری کمیت سے زیادہ کیفیت تک محدود رہی۔ مصر و شام میں کتابت اور طبابت جیسے علمی پیشوں پر دسویں صدی عیسوی کے نصف آخر تک نصرانی اسی طرح قابض رہے جس طرح تجارت و حرفت پر یہودی قابض تھے۔ نصرانیت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ شامی نصرانیوں نے بارھویں صدی عیسوی میں مختلف مذہبی عقیدوں کے ماننے والوں سے مصالحت کرلی نسطوری اور یعقوبی کلیسا کے رئیسوں نے ایک راضی نامہ طے کیا اور اس راضی نامہ پران کے جانشینوں نے بھی عمل کیا۔ دونوں کلیسا والے اپنے اپنے عقیدوں اور مذہبی رسموں کے سختی سے پابند تھے لیکن اس کے باوجود دونوں ایک دوسرے کا احترام کرنے کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ نویں صدی عیسوی کے وسط سے اسلامی حکومتوں کے زیر سیادت رہنے والے نصرانیوں کی حالت زیادہ خراب ہوتی گئی۔ مسلمانوں کا تہذیبی معیار جس رفتار سے بلند ہوتا جارہا تھا اسی نسبت سے غیر مسلموں کی مدد کی ضرورت کم ہوتی جارہی تھی۔ اس طرز عمل میں بازنطیہ کی نظیر نے بھی کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ وہاں یہودیوں کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا جارہا تھا! اور لازمی طور پر اس مثال سے اسلامی حکومتیں بھی متاثر ہوئیں؛ اور اسلامی علاقوں پر نصرانی رعایا کی وہی حالت ہوگئی جو نصرانی

Marfat.com

حکومتوں میں یہودیوں کی تھی۔ بہرطور مسلمانوں نے دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگے حالانکہ اسپین میں نصرانی غیر نصرانیوں کو بے دریغ تہ تیغ کر رہے تھے۔ غرض مجموعی حیثیت سے اس کے بعد بھی نصرانیوں کی حالت ہر دور میں اس حکم کے مطابق نہیں ہوئی جس کی رو سے غیر مسلموں کو ذلیل وخوار ہو کر جزیہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح نصرانیوں سے کبھی حضرت عمرؓ والے نام نہاد معاہدہ کی پابندی نہیں کرائی گئی جس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ نصرانی باہر نکلیں تو اپنے لباس میں مخصوص علامت بنائیں۔ نصرانیوں میں جو لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے ان کے اور مسلمان امراء کے لباس میں کوئی فرق نہیں تھا۔ عوام سے حقارت آمیز سلوک کرنے میں بھی یہ ان سے کم نہیں تھے۔ نصرانیوں کی اس مداخلت کے احتجاج ہوتے رہتے تھے اور بعض وقت خونریزی تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ سیاسی انتشار کے زمانوں میں قدرتاً نصرانیوں اور عام طور پر تمام غیر مسلموں کے حقوق دوسرے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ متاثر ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ کلیسا کی زمینیں جو ان کی آمدنی کا خاص ذریعہ تھیں ان کے قبضہ سے نکلنے لگیں باوجود زیادتیوں اور خون خرابوں کے چودھویں صدی عیسوی کے وسط تک بھی مصری کلیسا کی غیر منقولہ جائداد کا رقبہ چالیس ہزار مربع ایکڑ سے کم نہیں تھا۔ ایران کے انتہائی متعوفی اور

Marfat.com

کچھ مشرقی علاقوں سے قطع نظر نصرانیت وہاں کے باقی ماندہ تمام علاقوں سے رفتہ رفتہ غائب ہوگئی معلوم نہیں یہ واقعہ کس زمانہ میں اور کیونکر پیش آیا۔ قدیم اوبی سلطنت کے صوبوں میں صرف شمالی افریقہ کا علاقہ ایسا تھا جہاں نصرانیت باقی نہیں رہی گو یونانی اور رومی عہد کے دیئے ہوئے بعض جغرافی نام اس وقت تک باقی ہیں۔ جیسے علاقہ تریپولی (طرابلس) اور اسکے صدر مقام کا نام، الجیریا (الجزائر) میں شہر قسطنطنیہ۔ یہاں کی ہمیں اس صورت حال کے پیدا ہونے کے اسباب کا پتہ نہیں لگتا البتہ اس واقعہ کی توضیح اس حقیقت سے ہو سکتی ہے کہ بہ نسبت دوسرے رومی صوبوں کے شمالی افریقہ عربوں کے حملوں میں بہت زیادہ زیر وزبر ہوا۔ رومیوں نے قرطاجنہ کو از سرنو تعمیر کر کے اسے دنیا کا ایک نہایت عظیم الشان شہر بنا دیا تھا بلکہ بعضوں کا تو یہ خیال ہے کہ بہ لحاظ وسعت اس کو انھوں نے پوری سلطنت کے دوسرے بڑے شہر کے درجہ پر پہنچا دیا تھا۔ لیکن ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں عربوں نے اس شہر کو ایسا برباد کیا کہ اسکے کھنڈروں پر پھر کوئی شہر آباد نہ ہو سکا۔ قرون وسطیٰ کے نصف آخر میں افریقہ بدویوں کے لگاتار حملوں سے پھر پامال اور برباد ہوا۔ ایسے ملکوں کی تاریخ خاص طور پر دلچسپ ہے جن پر ابتداءً نصرانی قومیں حکمران تھیں لیکن بعد کو وہاں کچھ مدت کے لئے

Marfat.com

اسلامی تہذیب کو نشو و نما ہوئی مگر گردش روزگار سے عیسائیوں نے پھر مسلمانوں کی جگہ لے لی۔ ایسے ملکوں میں خاص کر ہسپانیہ، صقلیہ اور جنوبی اطالیہ ہیں۔ اسپین میں شاہان قشتالیہ نے مسلمانوں کی جگہ لے لی۔ الفانسو دہم کے لئے تیرھویں صدی عیسوی میں مشہور زمانہ زیجیں ہسپانیہ ہی میں گیارہویں صقلیہ اور جنوبی اطالیہ میں پہلے نارمن بادشاہوں نے اور انکے بعد ہوہنس ٹوفن خاندان کے حکمرانوں نے مسلمانوں کی جگہ لی۔ جزیرۂ صقلیہ میں مسلمانوں کے زیر سیادت بلرم وہاں کا سب سے زیادہ شاندار شہر بن گیا تھا چنانچہ اس کی اہمیت آج تک بھی برابر قائم ہے۔ گیارھویں صدی عیسوی سے لے کر تیرھویں صدی عیسوی تک گرجستان کی بادشاہی کا بھی یہی حال رہا۔ ارمینیہ اور گرجستان کلیسائی فرقہ واری کی وجہ سے ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا ہی سے آپس میں بغض و عناد رکھتے تھے! البتہ مذہبی عقیدوں کی بنا پر ان دونوں نے یونانی دنیا سے اپنے تعلقات قائم رکھے تھے لیکن اسی زمانہ میں ان دونوں کو عربی و ایرانی مسلمانوں کے تہذیبی اثرات سے مغلوب ہونا پڑا۔ گرجستان اور ارمینیہ دونوں ملکوں کی شاعری تمام تر ایرانی شاعری سے وابستہ و پیوستہ ہے۔ سیاسی آزادی کھو دینے کے بعد ان ملکوں کے باشندوں کی زندگی ناموافق حالات میں بسر ہو رہی تھی

Marfat.com

اس کے باوصف یہاں کے عوام مضبوطی سے اپنے عقیدوں پر جمے رہے اور کسی نہ کسی طرح عام طبقوں نے اپنی تہذیبی روایتوں کو باقی رکھا۔ سترھویں صدی عیسوی کی ابتداء میں شاہ عباس نے ارمینیہ اور گرجستان کے باشندوں کو تہذیبی اغراض کے لئے ایران میں توطن اختیار کرنے پر اسی طرح مجبور کیا جسطرح ساسانی شہنشاہوں نے شام کے باشندوں کو ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ تاہم اسی صدی میں اہل ارمینیہ پہلی مرتبہ مغربی یورپی تہذیب سے آشنا ہوئے اور ایک صدی بعد اسی مغربی تہذیب نے گرجستان کو بھی متاثر کرنا شروع کر دیا۔

یورپ کے جو باشندے مصر و شام کا سفر کرتے تھے وہ مقامی نصرانیوں کو قدرتاً اپنا حلیف سمجھتے تھے۔ یہ لوگ ان ملکوں میں آتے اور کافی مدت تک نصرانی خانقاہوں میں ٹھیر کر عربی زبان سیکھتے اور نیز اہل ملک کے حالات معلوم کرنے کے لئے جتنی تعلیم کی ضرورت ہوتی وہ فی الجملہ حاصل کر لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان مورخوں کی کتابوں سے پہلے تیرھویں صدی عیسوی کے عرب نصرانی مورخوں جیسے کمین اور ابو الفرج کی کتابیں، سترھویں صدی عیسوی میں پہلے ترجمہ ہو کر یورپ میں شائع ہوئیں۔ اسی زمانہ میں یورپ کے زیر اثر نصرانی عرب اور ارمنی اقوام کی روحانی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا۔

Marfat.com

مشرقی نصرانیوں اور یورپ والوں میں مذہبی اختلاف کی خلیج اتنی وسیع نہیں تھی جتنی کہ ان میں اور مسلمانوں میں تھی۔ قرون وسطی کیطرح اب بھی یہ نصرانی غیر مذہبی دنیوی ادب سے مسلمانوں کی بہ نسبت کم دلچسپی لیتے تھے۔ یہ نہ صرف یونانی علوم کا مطالعہ کرتے تھے بلکہ یونانی ادب کا بھی۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں ایک شامی نصرانی نے الیاڈ اور اوڈیسی کا ترجمہ کیا تھا۔ بیسویں صدی عیسوی میں ایک عرب نصرانی نے بھی الیاڈ کا ترجمہ کیا۔ ۱۸۶۴ عیسوی میں ایک روسی عالم شام سے یہ اثر لے کر واپس ہوا کہ "جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے مشرق کی نصرانی قوموں کا معیار مسلمانوں سے بلند تر ہے۔"

لیکن مشرقی نصرانیوں نے اہل یورپ کو ہر وقت اپنے ہم وطن و ہم شہر مسلمانوں پر ترجیح نہیں دی ہے۔ کلیسا کے ایک روسی مورخ کے قول کے مطابق حروب صلیبیہ کے زمانہ میں "مذہبی پیشوا و عوام دونوں لاطینی حکومت کے قیام سے زیادہ مسلمانوں کی حکومت کے دوبارہ قیام کے متمنی تھے۔" سترھویں اور انیسویں صدی عیسوی میں دوسرے عقائد رکھنے والے ارمنی عیسائی، کیتھولک دعوت کے خلاف اکثر شاہ ایران کی پناہ ڈھونڈتے اور اعانت کے طالب ہوتے تھے، زمانہ حال میں اہل یورپ نے تمام دنیا پر جو معاشی تسلط حاصل کر لیا اس نے

Marfat.com

مشرق کے نصرانیوں پر بھی ایسا ہی برا اثر پیدا کیا ہے جیسا کہ مسلمانوں پر۔ ۱۹۱۲ عیسوی میں ایک مسلمان نے اسلامی اتحاد کی ضرورت پر ایک مضمون لکھا تھا۔ ایک نصرانی نے عربی اخباروں میں اس کا جواب اس طرح شائع کرایا کہ تمام مشرق کو بلا اختلاف مذہب و ملت یورپ کے مقابلہ کے لئے متحد ہو جانا چاہئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ صرف "اسلامی" اتحاد نہیں بلکہ یورپ کے تسلط کے خلاف پورے مشرق کا متحد ہونا ہے۔ یورپ کے زیر اثر مشرقی ایشیا کا تعلیم یافتہ طبقہ بعض وقت مذہبی اتحاد سے زیادہ قومی اتحاد کی طرف مائل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ موجودہ نسل ہی کے زمانہ میں عربوں کی قومی نشاۃ ثانیہ کے نام پر نصرانی عربوں اور مسلمان عربوں میں اتحاد پیدا ہو جائے۔ ایک ہم عصر عرب مصنف، امین ریحانی، جن سے روسی باشندے حال ہی میں پروفیسر کوفسکی کے ذریعہ روشناس ہو چکے ہیں۔ نصرانیوں اور مسلمانوں کے عقیدوں اور ان کی مقدس کتابوں کا ذکر اس لب و لہجے میں کرتا ہے جس سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ مصنف ان میں سے کون سے مذہب کا پیرو ہے۔

Marfat.com

دوسرا باب

خلافت اور عربی تہذیب کی ابتداء

ساتویں صدی عیسوی میں "تاریخ عالم میں پہلی اور آخری مرتبہ جزیرہ نمائے عرب سے ایک عام تحریک کی ابتداء ہوئی جس نے ایک عالمی سلطنت کی بنیاد بھی ڈال دی۔ غالباً زمانۂ ماقبل تاریخ میں بھی ملک عرب سے اس قسم کی ایک اور تحریک کی وجہ سے شام و عراق سامی نسلوں سے آباد ہو گئے ہوں۔ جو کچھ ساتویں صدی عیسوی میں واقع ہوا اس کا راستہ بیرونی ملکوں میں عربوں کی غیر منظم ہجرت نے پہلے ہی سے تیار کر دیا تھا۔ بہرطور آغاز اسلام سے پہلے اس تحریک نے کوئی عام حملہ کی صورت اختیار نہیں کی تھی۔ سنہ ۲۴۲ ق م میں زنوبون کے زمانے میں دریائے فرات کے

Marfat.com

مشرقی کنارہ جڑ کے دہانہ سے ذرا نیچے کا علاقہ "عرب" کہلاتا تھا۔ پہلی صدی عیسوی میں بزمانہ اسٹرابون مصر صعید کے شہر قبط کی آبادی کا نصف حصہ عربوں پر مشتمل تھا۔ شامی عرب بازنطینیوں کی رعایا کی حیثیت سے ان دونوں سلطنتوں کی جنگوں میں سرگرم حصہ لے چکے تھے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں عربوں نے بہت سی ایسی قوموں کو اپنا مفتوح بنالیا تھا جو تہذیب میں مقابلتًہ ان سے بہت برتر تھیں۔ لیکن اس کے باوجود عرب فاتحوں نے اپنی قومی خصوصیتیں اس طرح نہیں گم کردیں جس طرح کہ جرمنوں نے یورپ میں اور منگولوں نے ایشیا میں فتح کرکے اپنی خصوصیتیں کھو دی تھیں۔ بلکہ عربوں نے شام، عراق، مصر اور شمالی افریقہ کے باشندوں کو اپنی نسلی اثرات کا محکوم بنالیا۔ عربی زبان تمام دوسری زبانوں پر غالب ہوگئی لیکن یہ غلبہ عربی مملکت کے دباؤ کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ صورت حال تو ایک حد تک عرب حکومت کی مرضی کے خلاف عمل میں آئی تھی۔ محکوم قوموں میں اسلام کی اشاعت کی وجہ سے خلافت کا پورا مالیاتی نظام درہم برہم ہوگیا تھا۔ اس خلئے ان کے نقطۂ نظر سے غیر مسلموں میں سرکاری زبان کی اشاعت میں مدد دینا بہت کم پسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ نصرانیوں کو عربی زبان بولنے اور اپنے بچوں کو

Marfat.com

اسلامی مدرسوں میں بھیجنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ ان مانعتی تدبیروں کے باوجود آبادی کے ایک کثیر حصہ نے اسلام قبول کر لیا اور جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا، انھوں نے عربی زبان تو ضرور اختیار کر لی۔

عربی زبان کی کامیابی کی توجیہ اس واقعہ سے ہو سکتی ہے کہ جرمنوں، ایرانیوں، اور منگولوں کے برعکس عربوں نے ابتدا ہی سے توسیع و اشاعت کے لئے صرف اپنی ہی قوت بازو پر بھروسہ کیا۔ ساتویں صدی عیسوی ہی میں عربوں نے علمی تہذیب حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ادبی زبان کو ترقی دینا شروع کر دیا تھا۔ اور شاعری و خطابت کو ہر علمی وصف پر ترجیح دینے لگے تھے۔ بعض ادبی اصناف کو منتہائے ترقی پر پہنچا دیا گیا تھا۔ نثر مسجع اور عروض کے بعض قوافی ان کے پاس اس وقت مستعمل تھے، شاعری کا موضوع یعنی قصیدہ صرف چند مضمونوں تک محدود ہو گیا تھا۔ شاعر قصیدوں کو صرف اپنے ذاتی یا اپنے قبیلے کے مفاخر بیان کرنے یا اپنے حریفوں کی ہجو کرنے کے لئے استعمال کرنے لگے۔ عربوں میں بدویانہ شاعری کے علاوہ زیادہ بہتر حضری شاعری بھی موجود تھی اور خصوصاً قبیلۂ قریش میں رائج تھی۔

خاص خاص شہری مرکزوں کے باشندوں جیسے مکّہ کے قریش اور طائف کے ثقیف ابتداءً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

Marfat.com

تحریک و تبلیغ کے سخت دشمن تھے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ وہ آپؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو انھوں نے اُس وقت جبکہ اسلام سیاسی شکل اختیار کر رہا تھا، ملت اسلامیہ کے مقتدر افراد سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ملت اسلامیہ کی سرداری قریشیوں میں رہے گی (الائمۃ من القریش) مفتوحہ ملکوں میں قریش اور بنو ثقیف نے نئے نئے شہر بنائے اور حکومت کی تنظیم کی۔ ایک عرب سپاہی کے ساتھ ایک شہری عرب کا رہنا بھی لازمات سے تھا۔ مفتوحہ ملکوں میں عربی قومیت کے احساس کو تقویت دیتے رہنا خاص کر اسی شہری عرب کی قابلیت کا رہین منت ہے۔

جیساکہ مسلمانوں کی تہذیبی زندگی کے ہر شعبہ کی حالت سے ظاہر ہے عربی اور مقامی روایات کے اختلاط کی وجہ سے رفتہ رفتہ اسلامی وضع کے شہر وجود میں آنے لگے۔ اس وقت تک شہر کی کوئی ایسی خاص وضع پیدا نہیں ہوئی جسے خالص "اسلامی" کہا جا سکے۔ بعض یورپی سیاحوں نے ان نام نہاد "مشرقی" شہروں کی وضع قطع کو اس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے:—

وہ کہتے ہیں مشرقی شہروں کی وضع مشرقی مطلق العنانی کے خوف سے پیدا ہوئی ہے۔ یعنی ایسے شہر جن میں سکونتی مکانات اندرونی صحنوں میں چھپے ہوئے اور سڑکوں سے دور رہتے ہیں ایسے شہروں میں سوائے دکانوں کے آپ کو صرف کٹ گھیے سے

Marfat.com

نظر آسکتے ہیں۔ لیکن جب سے کہ پامپی کی کھدائی ہوئی ہے یہ مفروضہ صحیح نہیں مانا جاسکتا۔ کیونکہ اس شہر کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ رومیوں کے شہر بھی اسی قسم کے تھے۔ اس کے برعکس جن یورپی سیاحوں کو مکہ جانے کا اتفاق ہوا ہے وہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ مسلمانوں کے سب سے مقدس شہر میں "یورپی وضع" کے ایسے مکان موجود ہیں جن کے دریچے سڑکوں کی طرف کھلتے ہیں۔ بعض سیاحوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انھوں نے یمن کے شہروں میں ایسے بہت سے بلند مکان دیکھے ہیں جن کے روکار نہایت خوب صورت بنائے گئے تھے۔ ابھی یہ اچھی طرح واضح نہیں ہوا ہے کہ آیا یہ بات مقامی روایات کا نتیجہ ہے یا خارجی خصوصاً ہندی اثرات کا۔

شہروں میں قیام پذیر ہو جانے کے بعد بھی عربوں نے مدت دراز تک اپنی خاندانی اور قبائلی تنظیم باقی رکھی اسطرح ایک ہی شہر کے افراد میں اتحاد و یک جہتی کا احساس اتنا زیادہ نہیں تھا جتنا کہ ایک ہی قبیلہ کے افراد میں۔ چنانچہ جب کوئی نیا شہر بسایا جاتا یا پرانے شہر میں عربوں کو آباد کیا جاتا تو ہر قبیلہ کے رہنے سہنے کے لئے ایک علیحدہ حصہ مخصوص کر دیا جاتا تھا۔ بہت سے اسلامی شہر عربی طرز زندگی کی خصوصیت کو پیش نظر رکھ کر بنائے گئے ہیں۔ مثلاً

Marfat.com

شہر کی فصیل کے علاوہ ایسی دوسری فصیلیں بھی تھیں جن میں دروازے ہیں، اور یہ دروازے ایک حصہ آبادی کو دوسرے حصہ سے اور بعض مرتبہ ایک سڑک کو دوسری سڑک سے الگ کرتے ہیں۔ ایران میں عربوں نے اسی وضع کے شہر بنائے تھے۔ گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی کا مرو بھی اسی نمونہ کا تھا۔ مرو کے ہم عصر شہروں میں ہمدان کے اطراف کوئی عام فصیل نہیں تھی بلکہ رات کے وقت دروازے بند کرنے پر مختلف محلے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے تھے اس قسم کے دروازے اُن سڑکوں پر بھی نصب کیئے جاتے تھے جو حدود شہر سے باہر دور تک جاتی تھیں۔

ساتویں صدی عیسوی میں عربوں نے شام میں کوئی نئے شہر نہیں بسائے البتہ آٹھویں صدی عیسوی میں بیت المقدس سے سمندر کی طرف جانے والی بڑی سڑک پر خلیفہ سلیمان (۷۱۵ء تا ۷۱۷ء) نے رملہ آباد کیا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ مسلمان بھی بیت المقدس کی مذہبی اہمیت کو تسلیم کرتے تھے، اس نئے شہر کی رونق روز بروز بڑھتی گئی اور سیکڑوں سال تک اُسے فلسطین کے خاص شہر کی حیثیت حاصل رہی۔ اس کے باوصف رملہ کی اہمیت صرف مقامی تھی۔ (عربی) تمدن کے عام ارتقا پر اس شہر کے وجود کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ شام میں سیاسی و تمدنی سرگرمی کا مرکز دمشق تھا۔ چوتھی صدی عیسوی ہی میں

Marfat.com

یہ دنیا کا ایک بہترین شہر تصور کیا جاتا تھا۔ اس شہر کو بنو امیہ نے اپنا دار الخلافہ بنایا۔ لیکن اس کا رقبہ اتنا وسیع نہیں تھا جتنا کہ ہمارے تصور کے مطابق کسی عالمی مملکت کے صدر مقام کا ہونا چاہئے۔ دسویں صدی عیسوی کے نصف آخر تک اس کی آبادی قدیم سنگ بستہ فصیل کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکی۔ وہ نام نہاد "سیدھی شاہراہ" جس کا ذکر انجیل کے باب اعمال پیغمبران (۹ : ۲) میں بھی آیا ہے اور جو شہر کے شرقی دروازے سے مغربی دروازے تک چلی گئی تھی اس کا طول تقریباً چار میل سے زیادہ نہیں تھا اور شمالی و جنوبی دروازوں کا درمیانی فاصلہ تو اس سے بھی کم تھا۔ شہر کے وسط میں جو چوک تھا وہاں پہلے بت پرستوں کی عبادت گاہ تھی۔ بعد میں اسی عبادت گاہ پر نصرانی کلیسا بنا اور پھر سب سے آخر میں اس پر مسلمانوں کی مسجد تعمیر ہوئی۔ ابتدا میں جامع مسجد سینٹ جان اصطباغی کے کلیسا کے پہلو میں تھی لیکن خلیفہ ولید اول (۷۰۵ء تا ۷۱۵ء) کے زمانہ میں نصرانیوں کو اپنی عبادت گاہ مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کرنی پڑی۔ اس مقام پر مشہور جامعہ اموی کی تعمیر ہوئی جس کی شان و شوکت اور خوبصورتی و دلآویزی کا مقابلہ اسلامی دنیا کی کوئی عمارت نہ کر سکی۔ خلفاء بنو امیہ کے محلات اس مسجد سے زیادہ دور نہیں تھے لیکن قرون وسطیٰ کے ختم ہونے سے پہلے ہی ان کے نشان مٹ چکے تھے۔

دمشق کے علاوہ شام میں عربوں کی اور بھی فوجی چھاونیاں تھیں لیکن اہمیت کے لحاظ سے ان کا درجہ دمشق کے مقابلہ میں کم تھا۔ مثلاً دمشق کے جنوب مغرب میں جابیہ اور حلب کے شمال میں دابق۔ بعض ملکوں میں اس قسم کی چھاونیاں بڑے بڑے شہر بن گئی تھیں، اور ان نئے شہروں نے قدیم شہروں کی جگہ لے لی تھی۔ قاہرہ کی ابتداء اسی طرح ہوئی تھی۔ ابتداء میں عربوں نے دریائے نیل کے کنارے فسطاط نامی ایک شہری چھاونی قائم کی تھی۔ (یونانی۔لاطینی Graeco-Latin میں Fossaton اس کے معنی خندق سے گھری ہوئی چھاونی کے ہیں) یہ فوجی مقام دریائے نیل کے مشرقی کنارہ قریباً تین میل لانبے اور پون میل چوڑے رقبہ پر مشتمل تھا۔ آبادی کے عین وسطی حصہ میں مسجد جامع تھی ــــ اس کو اب فاتح مصر کے نام پر مسجد عمرو کہا جاتا ہے۔ دارالحکومت بھی اسی مقام پر تھا۔ تونس میں قیروان، جو بعد کو ویران ہوگیا، فرات کے کنارے کوفہ، شط العرب میں بصرہ، اور ایران میں شیراز اسی قسم کی شہری چھاؤنیاں تھیں۔ فتوحات کا دور گزر جانے کے بعد جب چھاونیوں کی ضرورت باقی نہیں رہی تو مسلمانوں نے بہت سے دوسرے شہر بھی بسائے ایسے شہروں نے اکثر طویل عمر پائی جیسے مراکش کے علاقے میں فاس جو آٹھویں صدی عیسوی میں آباد ہوا تھا یا موجودہ روسی

Marfat.com

علاقہ میں کیا بجہ Elisavetaple جو نویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوا تھا۔ تاریخ میں ہمیں صرف ایک ہی مثال ایسی ملتی ہے جس میں عربوں نے زمانۂ قبل اسلام کے ایک شہر کو از سرِ نو بسانے کے لئے جسے انھوں نے پہلے تباہ کر دیا تھا ایک دوسرے ایسے شہر کو خالی کر دیا جو چھاونی سے ترقی کر کے شہر بن چکا تھا۔ یہ شہر ہراکان تھا جو باختر کے علاقہ میں آمو دریا کے جنوب میں واقع تھا۔ بعد کو بلخ نے اس کی جگہ لے لی۔

ایران اور ترکستان میں عربوں نے نہ صرف مدنی زندگی کو ترقی دینے کے لئے بڑی محنت کی بلکہ شہروں کی وضع قطع تبدیل کرنے میں بھی بڑا کام کیا ہے۔ ان ملکوں میں زمانۂ قبل اسلام میں جو شہر آباد تھے ان میں عموماً ایک دِز (دگرطعی) ہوتا تھا اور عام آبادی کو شہرستان کہتے تھے۔ اس کے لفظی معنی ایسے مقام کے ہیں جہاں قوت مجتمع ہو۔ لفظ مدینہ سے بھی اسی قسم کے معنی وابستہ ہیں۔ مدینہ کا یہ مفہوم عربوں نے شامیوں سے لیا ہے۔ چنانچہ مدینہ سے وہ محل مراد لیا جاتا تھا جہاں عدل و انصاف کا کام ہو۔ بازار عموماً شہر کی فصیل کے باہر دروازوں کے بازو بازو قائم کیے جاتے تھے۔ حالیہ تحقیقوں کی رو سے بازار کا یہ محل وقوع لفظاً "بازار" کے ابتدائی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ لفظ مغربی ایشیا کی غیر ایرانی اور غیر سامی زبانوں سے لیا گیا ہے۔ اس کا

مفہوم "دروازوں پر خرید و فروخت" ہے۔ مسلمانوں کے زیر اثر حضری زندگی رفتہ رفتہ شہرستان سے نکل کر مضافات میں منتقل ہوتی گئی کیونکہ صناع اور تاجر زیادہ تر یہیں رہتے تھے۔ ان ہی مقاموں پر رفتہ رفتہ ان شہروں کی وضع قطع ایک نہج پر قائم ہوئی جو اس وقت تک مغربی ایشیا کے ملکوں میں موجود تھے۔ ان شہروں کی عام صورت یہ ہوتی تھی: کہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کو بازاروں کی قطاریں ہوتی تھیں، اور جہاں یہ چاروں سڑکیں ملتی تھیں؟ وہاں شہر کے بیچوں بیچ جامع مسجد واقع ہوتی تھی۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ مسلمان تاجر جو اپنے نصرانی و یہودی پیشروؤں کے قدم بہ قدم چلتے تھے

اسلامی دور میں مَرو کی مدنی زندگی کا مرکز شہرستان سے گزر کر نہر مجان کے کنارہ شہر کے مغربی مقامات میں قائم ہوا جہاں زمانہ قبل اسلام میں نصرانی اسقفی علاقہ واقع تھا۔ ایران میں اصفہان بھی مسلمانوں کا ایک بہت بڑا شہر تھا پہلے یہاں شہرستان سے چند میل کے فاصلہ پر یہودیوں کی ایک بیرونی نو آبادی تھی۔ دسویں صدی عیسوی میں یہ شہر قدیم شہرستان کے مقابلہ میں بلحاظ وسعت و آبادی دگنا ہوگیا حاکمان صوبہ صدر مقامات میں رہتے تھے سرکاری دفاتر

Marfat.com

نہیں ہوتے تھے۔ عربوں نے سرکاری ادارے زیادہ تر ان متمدن قوموں کی تقلید میں اختیار کئے تھے جن کو اب وہ اپنا اطاعت گزار بنا چکے تھے۔ خود سیدنا عمرؓ (۶۳۴ عیسوی تا ۶۴۴ عیسوی) کے عہد خلافت ہی میں ایرانی اثر ایک نہایت اہم عنصر بن چکا تھا۔ متمدیوں اور حسابی صیغوں کی ابتداء بھی اسی زمانہ سے ہوئی۔ ان دفتروں کو دیوان کہا جاتا تھا، اور یہ لفظ دیوان غالباً ایرانی لفظ ہے۔ ان علاقوں سے جہاں پہلے سلطنت بازنطینیہ کی حکومت رہی تھی عربوں نے اس قسم کی کئی یونانی و لاطینی اصطلاحیں اختیار کر لی تھیں مثلاً Questor کا لاطینی لفظ انھوں نے مصر سے لیا۔ عربی فتوحات کے بعد بھی دفتروں کے منشی دکاتب مقامی باشندوں میں ہی سے مقرر کئے جاتے تھے اور یہ لوگ حسب موقع یونانی یا فارسی زبان استعمال کرتے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی میں جا کر کہیں عربی زبان حکومت کی کاروباری زبان قرار پائی۔ اسی زمانہ سے اسلامی سکوں پر خالص عربی یا اسلامی نقش مسکوک ہونے لگے۔ اس سے پہلے زر ان علاقوں میں مضروب ہوتا تھا جہاں پہلے بازنطینی یا ایرانی حکومت تھی۔ بازنطینی علاقوں میں جو زر مسکوک ہوتا تھا اس پر ایرانی طریقہ کے مطابق آتشکدہ کی قربان گاہ کی تصویر ہوتی تھی۔ جس زمانہ میں عربوں کی فتوحات

Marfat.com

شروع ہوئی ہیں بازنطینی علاقوں میں معیار زر سونا تھا، اور ایران میں چاندی۔ چنانچہ مسلمانوں کے نظام زر میں سونے کے دینار (لاطینی میں Dinarins) چاندی کے درہم (یونانی میں Drachme) ایران میں یہ اصطلاح سکندر کے حملہ کے بعد رائج ہوئی) اور تانبے کے فلس (یونانی میں Obolos) رائج تھے۔ دینار صرف دارالخلافہ میں مضروب ہوتے تھے۔ چنانچہ عہد بنی اُمیہ میں دینار کے دارالضرب دمشق میں اور عہد بنی عباس میں بغداد میں تھے۔ البتہ درہم صوبوں کے صدر مقاموں پر مضروب ہوتے تھے۔ لیکن فلس کی قدر زر صرف مقامی تھی۔ مغربی ایران اور وسط ایشیا میں دسویں صدی عیسوی میں صرف درہموں کو زر اور دینار کو ایک قیمتی دھات سمجھا جاتا تھا۔ دینار کا وزن آدھے تولہ سے کچھ کم اور درہم کا اس سے بھی کچھ کم ہوتا تھا۔ قدر کے اعتبار سے درہم دینار کے بیسویں حصہ کے برابر ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے سونے اور چاندی کی زری اکائیوں میں تناسب قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ قدیم ایرانی سلطنت سے لیکر زمانہ حال کی یورپی مملکت تک ہر حکومت نے سونے اور چاندی کی قیمتوں میں تناسب قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن باین ہمہ مستقل تناسب قائم کرنے میں ان سب کی کوششیں ناکام ثابت ہو چکی ہیں۔

Marfat.com

عربوں کی یہ کوششیں بھی بار آور نہ ہوئیں کہ قیمتوں کا ایک مستقل تناسب قائم کر دیا جائے۔ سونے کے تعلق سے چاندی کی قیمت میں اتار چڑھاؤ ہوتا ہی رہا۔

حکومت کی مقامی روایتوں کا اثر صرف ان علاقوں کی سرحدوں تک محدود نہیں رہا جہاں یہ حکومتیں قائم ہوئی تھیں۔ خلافت کی حکومتی اور معاشی زندگی میں ہم کو مختلف زبانوں سے لی ہوئی اصطلاحوں کا عجیب مجموعہ ملتا ہے۔ وہ علاقے جہاں پہلے بازنطینی حکومت تھی ایرانی اصطلاحات چل پڑیں اور ان علاقوں میں جہاں پہلے ایرانی حکومت تھی بازنطینی اصطلاحات رائج ہو گئیں۔ جس طرح قدیم زمانہ میں حکومت کے پیامبروں کو یا مختلف مقاموں کی کیفیتوں کو حاکموں تک پہنچانے کے لئے ڈاک خانہ استعمال ہوتا تھا اسی طرح خلافت میں بھی استعمال ہوتا تھا مسلمان ڈاک خانہ کو برید کہتے تھے۔ برید لاطینی لفظ (Verdus) سے ماخوذ ہے، گو خود یونانیوں نے رسل و رسائل کا پورا نظام ایرانیوں سے لیا تھا۔ یونانی اس کے لئے لفظ بھی ایرانی (Angaros) استعمال کرتے تھے۔ فن جنگ سے متعلق ایرانی لفظ جند کو عربوں نے زمانہ قبل اسلام ہی میں اختیار کر لیا تھا۔ یہ لفظ سب سے زیادہ شام میں استعمال ہوتا تھا جہاں فوجی چھاؤنیاں ترقی پا کر

Marfat.com

شہروں میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ قدیم بازنطینی صوبہ کے اس علاقہ کو مسلمانوں نے کئی جندوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ صوبوں کے عامل یا تو امیر جند کہلاتے تھے اور یا امیر مصر (یہ لفظ یمنی الاصل ہے) مصر کو نارسی الاصل لفظ اُستاق سے ممتاز کیا گیا تھا کیونکہ اُستاق صرف زرعی بستی کے لئے بولا جاتا تھا۔ خالص عربی الاصل لفظ حاکم کے محافظ دستے (حرس) اور فوجی پولیس (شُرطہ) کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ شرطہ کا ایک خاص افسر ہوتا تھا جو عامل کا گویا دست راست سمجھا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے یہ ظاہری لوازم بھی عرب ایرانیوں میں سے لینے تھے۔ ایرانیوں کی ہئیت حکومت کو عرب ہمیشہ ایک قابل تقلید نمونہ تصور کرتے رہے۔ لیکن خلفاء کو ایرانی نمونہ کا مطلق العنان بادشاہ بننے کے لئے کافی وقت لگا۔ عہد اموی میں خلفاء کی حیثیت نسبی ایرانی شہنشاہ کی سی اتنی نہیں تھی جتنی کہ ایک عرب شیخ یا سید کی طرح تھی۔ خلیفہ ولید اول کو بھی اپنی رعایا سے کہنا پڑتا تھا کہ وہ اس کو اس کا نام لے کر نہ پکارا کریں۔ دائرۂ حکومت سے قطع نظر مادی تہذیب کے میدان میں خلافت ایران سے زیادہ بازنطیہ کی ممنون ہے۔ مصری پارچہ بافی کی صنعت جب شام کے ساحل پر منتقل ہوئی تو اس سے نہ صرف ایران متاثر ہوا بلکہ ترکستان بھی اس کے

Marfat.com

زیر اثر آگیا۔ مصری کپڑوں کے نام سے مختلف کپڑے شیراز اور ترکستان کے مختلف شہروں میں تیار ہوتے تھے۔ بعد کو مادی تہذیب کے معاملہ میں مسلمان چین کو پہلا اور یونان کو دوسرا درجہ دینے لگے۔ تیرھویں صدی عیسوی کے ایک ایرانی مصنف عوفی اور پندرھویں صدی عیسوی کے ہسپانوی کلاویجو نے مسلمانوں ہی کی تقلید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔ خود چینیوں کا یہ دعوٰی ہے کہ جہاں تک صنعت و حرفت کا تعلق ہے صرف وہی ایک ایسی قوم ہیں جو اس معاملہ میں حقیقی نظر و بصر کی نعمت سے بہرہ ور ہیں اور سوائے یونانیوں کے بقیہ تمام دوسری قومیں اندھی ہیں بلکہ یونانیوں کی (اور کلاویجو کے مطابق فرنگیوں کی) بھی صرف ایک آنکھ ہوتی ہے۔

لیکن علمی میدان میں بلاشبہ یونانیوں کو پہلا درجہ حاصل تھا۔ نصرانیوں کے زیر اثر یونانی سے عربی میں ترجمہ کرنے کا کام بالکل ابتدائی زمانہ میں شروع ہو چکا تھا۔ خالد بن یزید بن معاویہؓ جو یونانی علوم کا بڑا دلدادہ تھا اپنی عمر کی چالیس بہاریں بھی نہ دیکھ سکا تھا کہ ۷۰۴ عیسوی میں انتقال کر گیا۔ جب اس کے باپ یزید کا ۶۸۳ عیسوی میں انتقال ہوا ہے تو اس وقت یہ بہت کمسن تھا۔ بہرطور ہیئت، طب، کیمیا کے بہت سے رسائل کو

عربی میں منتقل کرنے کا شرف اس کو دیا جاتا ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پارس پتھر دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا جس سے مصنوعی طور پر سونا بنایا جا سکتا تھا۔ خالد شمالی شام کے شہر حمص کا امیر تھا۔ اس مقام پر کسی زمانہ میں سورج دیوتا کا مندر تھا۔ بعد میں یہاں نصرانیوں کا ایک بہت بڑا گرجا تعمیر ہوا اور آخر میں اس کا ایک حصہ مسلمانوں نے مسجد میں تبدیل کر لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دسویں صدی عیسوی تک اس عمارت کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ بر حسب سابق گرجا بنا ہوا تھا اور بقیہ حصہ مسلمانوں کی مسجد کے کام آتا تھا۔ ممکن ہے کہ خالد کے زمانہ میں حمیص میں نصرانیوں کے علاوہ بت پرست لوگ بھی موجود ہوں شام کے تمام شہروں میں صرف حمیص ہی ایسا مقام تھا جہاں مسلمان فاتحوں کا نہایت پرجوش استقبال کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں کے نصرانی باشندے قیصر ہرقل کی مذہبی اصلاحوں کے مخالف تھے۔

یونانی تمدن سے مسلمانوں کا تعلق اسکندریہ اور شامی شہروں سے قائم ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود علمی اور ادبی علوم کی حد تک تمدنی سرگرمی کے مرکز دجلہ و فرات کے کنارے شہر کوفہ و بصرہ ہی رہے۔ یہ دونوں

Marfat.com

شہر سیدنا عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں اسی عام عربی وضع پر بنے تھے۔ یعنی مختلف عربی قبیلوں کے لئے علیحدہ علیحدہ محلے اور آبادی تھے، بیچوں بیچ مسجد جامع اور دار الحکومت۔ بصرہ بعد میں ایک دوسری بستی کی طرف منتقل ہو گیا اور قدیم شہر کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ گو کوفہ کی اہمیت بہت پہلے ختم ہو چکی تھی لیکن اس کی جامع مسجد اس وقت تک باقی ہے۔ ابھی تک اس مسجد کی تعمیر پر کافی غور نہیں کیا گیا۔ مسجد کی دیواریں ایرانی کاریگروں نے کسی بڑے دیر پا مسالہ سے تیار کی تھیں۔ یہ موضوع بڑا دلچسپ ہے خاص کر اس لئے کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس میں اب تک کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ واسط کے کھنڈروں کی بھی ابھی تک تحقیق نہیں ہوئی۔ یہ شہر بنی امیہ کے زمانہ میں دجلہ کی ایک شاخ کے کنارے آباد کیا گیا تھا۔ گو صدیوں تک یہ ایک صنعتی و تمدنی مرکز بنا رہا، لیکن بنی امیہ کے بعد اس کی کوئی سیاسی اہمیت باقی نہیں رہی۔

آٹھویں صدی عیسوی میں کوفہ و بصرہ میں جیسی غیر معمولی علمی سرگرمی تھی ویسی کسی اور شہر میں نہیں تھی۔ ان دو شہروں میں تو مسلم عالموں، ان کے شاگردوں اور ان کی اولاد نے دینیات، فقہ اور متعلقہ علوم کی بنیاد رکھی۔ دینی علوم کے

Marfat.com

علاوہ ان شہروں میں لغویوں اور نحویوں کے مخصوص دبستان بھی تھے۔ یہ ہمیشہ ایک دوسرے سے رقابت و مسابقت رکھتے تھے۔ عربی زبان سے متعلقہ علوم کی ابتدا کرنے والوں میں ہمیشہ صرف عرب ہی نہیں تھے۔ بصرہ کے ایک نمایندہ خلیل ابن احمد نے عربی کی ایک اہم لغت تالیف کی ہے۔ اسی لغت کی بنیاد پر دسویں صدی عیسوی میں بمقام خراسان علمی وفنی اصطلاحات کی مشہور لغت تالیف ہوئی۔ خلیل نے ایک فرہنگ اصطلاحات بھی تالیف کی تھی۔ اس لغت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی علوم اور خصوصاً تقسیم علوم پر یونانی اثرات کس قدر کارفرما تھے۔ اساسی طور پر فلسفہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا: نظری وعملی۔ منطق کو بعضوں نے نظری فلسفہ میں شامل کیا تھا اور بعضوں نے اسے فلسفے کی ایک تیسری ذیلی شاخ قرار دیا تھا۔ اور بعض عالم اس کو حصول فلسفہ کا "ایک ذریعہ" خیال کرتے تھے۔ نظری فلسفہ کے پھر تین ذیلی شعبے تھے: طبعیات، الٰہیات اور ریاضیات۔ ریاضیات کو دراصل طبعیات و الٰہیات کے بین بین جگہ دی گئی تھی۔ اس کے لئے عربوں نے یونانی اصطلاح کی بجائے خود اپنی ایک علیحدہ اصطلاح رکھی تھی، جس کے معنی یونانی اصطلاح ہی کے ہیں۔ ریاضی کے چار حصے تھے: حساب، ہندسہ، ہیئت اور موسیقی۔

یعنی وہ سات دماغی فنون جو یورپ کے قرون وسطٰی میں فنون اربعہ کہلاتے تھے۔ بعد میں ریاضی و منطق کو بعض وقت علوم موضوعہ میں شمار کیا جانے لگا۔ ان سے وہ علوم مراد تھے جو علوم طبعی اور دینیات یا مابعد الطبعیات کی تعلیم کے لئے ضروری قرار دیئے گئے تھے۔ بہت سی دوسری اصطلاحوں کی طرح الٰہیات بھی ایک یونانی اصطلاح ہے۔ غرض بعد میں الٰہیات اور مابعد الطبعیات کو بہت سی ذیلی شاخوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن فی الحقیقت الٰہیات کی کوئی ذیلی شاخ نہیں ہے۔ البتہ علوم طبعی کی بہت سی ذیلی ضمنیں تھیں۔ چنانچہ طبعیات و کیمیا بھی ان ہی میں شامل ہے۔ عملی فلسفہ میں اخلاقیات، معاشیات اور سیاسیات شامل ہے۔ نحو، معانی و بیان کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ان کو کسی ایک علم کے تحت نہیں رکھا گیا البتہ ایک خاص باب نحو کے لئے مختص کیا جاتا ہے اور اس سے پہلے فقہ اور دوسرے دینی علوم سے بحث ہوتی ہے، ادب و تاریخ کا شمار سب سے آخر میں ہوتا ہے اور معانی و بیان کا ذکر منطق کے سلسلہ میں اس لئے کہ یہ منطق کی ایک ضمنی شاخ تصور ہوتی ہے۔

Marfat.com

تیسرا باب

بغداد اور اسلامی تہذیب کا مزید ارتقاء

اسلامی دینیات، عربی صرف و نحو اور لغت کا کام کوفہ و بصرہ میں شروع ہوا۔ ان علوم کی مزید ترقی و نیز سائینٹفک سرگرمی اور طرز تفکر پر عباسی خلفاء کے دربار کا زبردست اثر پڑا۔ آٹھویں صدی عیسوی کے چھٹے دہے میں خلیفہ منصور نے دریائے فرات مغربی جانب نیا صدر مقام تعمیر کیا۔ یہ شہر ایک بڑے گاؤں پر بسایا گیا، جہاں پہلے نسطوری بطریرک سے متعلق ایک خانقاہ تھی۔ یہ گاؤں فارسی لفظ بغداد کے نام سے مشہور تھا اور آخر کار دارالخلافہ بن گیا۔ اس شہر کو اس کے بانی نے مدینۃ الاسلام (امن و سلامتی کا شہر جس سے خاص طور پر جنت کی طرح اشارہ نکلتا تھا) کا لقب دیا تھا لیکن وہاں کے باشندوں نے اس لقب کو اختیار نہیں کیا۔ یہ نام صرف

Marfat.com

خلیفہ کے سکّوں پر ثبت ہوتا رہا۔ اس کی جگہ بغداد کا لفظ ۱۲۵۸ء عیسوی میں منگولوں کے ظہور کے بعد ہی مشکوک ہونے لگا۔ مدت ہوئی کہ منصور کا بنایا ہوا شہر بالکل مٹ چکا ہے۔ یہ شہر بالکل ایک نئے ہی نقشہ پر تعمیر ہوا تھا۔ اس کو زیر بحث دور کے تمام دوسرے شہروں سے ممتاز کرنے والی چیز اس کی مدوّر شکل تھی۔ قطب نما کی چار سمتوں کے جواب میں فصیل میں چار بڑے بڑے پھاٹک تھے جن میں بڑی بڑی محرابیں اور فوجوں کے لئے کشادہ جگہ رکھی گئی تھی۔ چاروں بڑے دروازے شہر کے مرکزی مقام کی طرف کھلتے تھے، جہاں خلیفہ کا محل مسجد جامع اور سرکاری دفاتر یا دیوان تھے۔ اس زمانہ میں سات قسم کے دیوان تھے:۔ (۱) دیوان الانشاء والطغراء یعنی وہ محکمہ جہاں سے سرکاری کاغذات خلیفہ کی منظوری حاصل کرنے کے لئے پیش ہوتے تھے۔ (۲) دیوان التوقیع۔ (۳) دیوان الحرث۔ (۴) دیوان الجند۔ (۵) دیوان الخراج (۶) دیوان الاستیفاء۔ (۷) دیوان الخزانہ۔

ان محکموں اور سرکاری عمارتوں کے علاوہ بیت المال، اسلحہ خانہ اور عام مطبخ غالباً محافظ دستوں اور خلیفہ کے عہدہ داروں کے لئے ہوتا تھا۔ یہ پورا علاقہ فصیل سے گھرا ہوا ہوتا تھا۔ اس میں آنے کے لئے صرف شہر کے دروازہ ہی سے

داخل ہونا پڑتا تھا کیوں کہ کوئی ایسی سڑک یا گلی نہیں تھی جو مختلف محلوں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہو۔ بازار مضافات کے ایک علاقہ میں واقع تھے۔ گو منصور کا یہ شہر وسعت میں بہ نسبت دمشق کے بڑا تھا تاہم موجودہ مملکتوں کے دارالسلطنتوں سے اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ دائرہ کے نصف قطر کا طول، جس پر شہر کی تعمیر کا خاکہ مبنی تھا، ڈیڑھ میل سے بھی کم تھا۔

تعمیر بغداد کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی دنیا کی ہیئت حکومت اور اس کے حکمرانوں کی زندگی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پہلے جانشین سے کس حد تک بدل چکی تھی۔ بعد کو آنے والے خلفاء کی تحت اس صورت حال میں اور بھی اضافہ ہوا۔ نویں صدی عیسوی کے نصف اول میں ہم دفتری تنظیم کی ایسی نشو ونما کا مشاہدہ کرتے ہیں جس میں صرف محکموں کی تعداد ہی میں اضافہ نہیں ہوا بلکہ تمام عہدہ داروں کے صدر یعنی وزیر کے اقتدار و اختیار میں بھی زیادتی ہوئی۔ اس زمانہ میں خلفاء بھی اہل سیف افراد کو اپنے اطراف جمع کرنے لگے۔ یہ عہدہ دار ایرانی فوجی امیروں کے نمایندوں اور غلاموں سے بھرتی کئے جاتے تھے۔ اور غلام عموماً وسط ایشیا کے ترک ہوتے تھے۔ علاوہ وزیر اور امیر حرس کے

Marfat.com

قاضی القضاۃ کی شخصیت بھی ایک خاص عہدہ دار کی تھی۔ منصور کے زمانہ میں اعلیٰ عہدہ دار اسی تنخواہ پر قناعت کرتے تھے جو بنی امیہ کے عہد میں ملا کرتی تھی یعنی ماہانہ تین سو درہم۔ مامون (۸۱۳ء تا ۸۳۳ء) کے زمانے میں مشاہروں کا جدید نظام رائج ہوا۔ اس کا معیار صرف قرون وسطیٰ ہی میں نہیں بلکہ آج بھی بلند خیال کیا جاسکتا ہے۔ مامون کے زمانہ میں مصر کے قاضی القضاۃ کی تنخواہ ماہانہ چار ہزار درہم (تقریباً اسّی پونڈ) تھی اور ایک دوسری روایت کے مطابق اس کا مشاہرہ اس سے بھی زیادہ یعنی سات دینار یومیہ تھا جو تقریباً ساڑھے تین پونڈ کے برابر ہوتا ہے۔ بغداد میں وزیر کا مشاہرہ سات ہزار دینار (تین ہزار پانچ سو پونڈ) قاضی القضاۃ کی تنخواہ پانچ سو دینا تقریباً ڈھائی سو پونڈ ماہانہ تھی۔ ان بڑے بڑے مشاہروں کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر محکمہ کے صدر کو اپنے ماتحت عہدہ داروں کے مشاہرے بھی اپنے ہی پاس سے دینے پڑتے تھے، لیکن ماتحت عہدہ داروں کے مشاہرے دینے کے بعد بھی وزیر کی ماہانہ آمدنی ایک ہزار دینار (تقریباً پانچ سو پونڈ) سے کم نہ تھی۔ لیکن عمومی حیثیت سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں، جبکہ خلافت کی وسعت نسبتاً گھٹ گئی تھی بغداد کے

دربار اور وہاں کے عہدہ داروں پر جو رقم صرف ہوتی تھی وہ منصور و ہارون کے دور سے بہت زیادہ تھی حالانکہ اُس وقت عباسی خلافت اپنے پورے عروج پر تھی۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ مشرق میں بھی حکام اپنے اہل ملک کی زندگی پر اتنا اثر نہیں ڈالتے تھے جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ جو لوگ ایشیا سے ناواقف ہیں ان کے لئے بغداد اور خلیفہ ہارون رشید اور اس کا دربار لازم و ملزوم ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ۹ویں و دسویں صدی عیسوی کے نسبتاً کم اہل عباسی خلفاء کے زمانے کے بغداد سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہارون رشید کے زمانہ کا بغداد ایک معمولی شہر سے زیادہ نہیں تھا۔ اسی طرح ہم یہ بات مان کر بھی غلطی کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے جو یونانی علوم کے اصول اختیار کئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتدائی عباسی خلفاء، خصوصاً منصور و مامون نے یونانی مخطوطے حاصل کرنے اور ان کے ترجمے کرنے کا حکم دیا تھا۔ گو اس موضوع پر کافی تحقیق نہیں ہوئی ہے لیکن اس میں تو شبہہ کی بہت کم گنجائش ہے کہ اسلامی عہد کی سرگرمی اور ایران قبل اسلام میں یونانی علوم کی ترویج اور ترقی میں ایک دوسرے سے قریبی تعلق ہے۔ منصور و مامون کے دربار میں

Marfat.com

چند یہودیوں کے علاوہ ہمیں ایسے عالموں کی کافی تعداد نظر آتی ہے جو ایرانی الاصل تھے۔ علمی رسالوں کے ترجموں میں صرف شامیوں ہی سے مدد نہیں لی جاتی تھی بلکہ پہلوی زبان سے بھی استفادہ کیا جاتا تھا، جو ساسانی دور میں ایران کی عام زبان تھی۔ ہیئتی جدولوں کا نام زیج ایرانیوں سے لیا گیا تھا جس کے معنی تانے کے ہیں۔ چونکہ عربوں نے یونانی علوم بجائے براہ راست حاصل کرنے کے دوسرے کے ذریعہ حاصل کئے تھے، اور وہ یونانی شاعروں یا مورخوں سے ناواقف محض تھے، اس لئے یونانی علوم کے ارتقاء اور عہد بہ عہد کی تبدیلیوں کے متعلق ان کو واضح معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ عربوں کے نزدیک یونانی تاریخ کی ابتداء فلپ مقدونوی کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے۔ یونانی علماء اور فلسفیوں کے متعلق عربوں کی معلومات بہت سرسری تھیں حتیٰ کہ محققین بھی یہ سمجھتے تھے کہ سقراط ایک یونانی بادشاہ کے حکم سے قتل کیا گیا تھا۔ بعض یونانی عالموں کو تو ایرانی الاصل سمجھ لیا گیا تھا، کیونکہ ان کے متعلق عرب پہلوی ترجموں کے ذریعہ واقف ہوئے تھے۔

یونان کے علاوہ ساسانیوں کے زمانہ میں ہندی علوم کا بھی ایران پر اثر پڑا تھا۔ اور جب ہندو

مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو اس وقت ہندوستان کا اسلامی علوم پر بھی اثر پڑا۔ یہ بات بھی بڑی حد تک یونانیوں ہی کی وجہ سے ہوئی تھی۔ گو بعض صورتوں میں یونانیوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ یونانی اثرات خاص کر علم ہئیت ازر ہندوستانی، علم حساب وجبرومقابلہ میں نمایاں تھے۔ یورپ میں جو ہندسے عربی اعداد کے نام سے مشہور ہیں وہ ایران ومصر کے راستے یورپ میں رائج ہوئے تھے۔ یہ ہندسے دراصل اہل ہند کی ایجاد ہیں۔ جبرو مقابلہ سے یونانی بالکل ناواقف تھے۔ صرف اسکندریہ کا ریاضی دان دیوفانت (چوتھی صدی عیسوی) اس سے ذرا واقف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ریاضیات کی یہ شاخ ہندوستان میں بھی بڑی ترقی کر گئی تھی۔ اہل یورپ کو اس کا علم عربوں ہی کے ذریعہ سے ہوا اور اس لئے اس کا نام الجبر بھی عربی ہی سے اختیار کر لیا گیا۔ دیگر علوم کے علاوہ یونانیوں پر ہندی طب کا بھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا چنانچہ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ پہلی صدی قبل مسیح کے اسکندروی طبیب دیوسکورڈیس کی تصنیفوں میں ہم کو ہندی اصطلاحات بھی ملتی ہیں۔ ساتھ ہی اہل ہند ایک "باختری" طبیب کو بھی مستند مانتے ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ طب کی مختلف شاخوں میں سے یونانیوں کا اثر خاص کر جراحی پر پڑا ہوگا کیونکہ ہندوستان میں جراحی کی ترقی زیادہ مدت تک نہیں رہی۔

Marfat.com

گو پوری طرح نہ سہی لیکن بہت بڑی حد تک نویں اور دسویں صدی عیسوی میں علمی سرگرمی دریائے دجلہ و فرات کی وادی میں مرکوز رہی۔ قدیم تہذیب کے مرکزوں مثلاً بصرہ نے اس ارتقاء میں حصہ لیا تھا۔ لیکن کوفہ عباسیوں کے زمانہ میں اپنی اہمیت کھو چکا تھا۔ دارالخلافہ بغداد اور حرّان کی بھی یہی حالت تھی، گو حرّان کو یونانی علوم سے آشنا کرانے والے اہل انطاکیہ تھے۔ جاحظ جیسے مہذب و متمدن مصنف (متوفی ۸۶۹ء) اور الکندی (متوفی ۸۷۳ء) جیسے عربوں کے پہلے آزاد خیال فلسفیوں کے تعلقات بصرہ سے تھے، دسویں صدی عیسوی میں اخوان الصفا کے نام سے بمقام بصرہ آزاد خیال اور فلسفہ کے متعلق سرسری معلومات رکھنے والوں کی ایک جماعت پیدا ہوئی۔ اس جماعت نے مختلف علوم پر اکاون مختصر رسالے تحریر کئے ہیں جو غیر معمولی طور پر مقبول ہوئے۔ دسویں صدی عیسوی کے آخر میں ایک اندلسی ریاضی دان یہ رسالے اپنے ساتھ اسپین لے گیا اور چار صدی بعد ایک تیموری شہزادہ کیلئے ان رسالوں کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ بغداد دنیائے اسلام کے ہر حصے خصوصاً فارس اور وسط ایشیا کے علماء کے لئے مرکز کشش رہا۔ دارالخلافہ میں الکندی کا ہم عصر مشہور ہیئت دان ابو معشر البلخی تھا۔ اس شہر میں ایک اور عالم ابو زید پیدا ہوا جو الکندی کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مشہور ہوا ہے اس نے قبل

Marfat.com

بغداد میں محمد بن موسیٰ الخوارزمی جیسا ریاضی دان بھی گذر چکا تھا۔ اس کا وطن خوارزم تھا اور اس کا انتقال ۸۴۷ء میں ہوا۔ یہ علاقہ اب خیوا کے خان کی عملداری میں شمار ہوتا ہے۔ اس نے جبر و مقابلہ اور علم حساب پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے زمانے تک بھی یہ شخص بہت بڑا عالم سمجھا جاتا تھا۔

لوگارتم اسی کے نام کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ احمد الفرغانی (متوفی ۸۶۱ء) بغداد میں اپنے وطن فرغانہ سے آیا تھا جو اسلامی دنیا کی آخری مشرقی سرحد پر واقع ہے۔ ترکستان کا ایک دوسرا باشندہ مشہور فلسفی ابونصر الفارابی ہے۔ یہ نسلاً ترک تھا لیکن تعلیم بغداد میں پائی اور ۹۵۰ء میں بمقام دمشق انتقال کیا۔ حران کے عالموں میں بتانی کو ریاضی داں و عالم ہیئت کی حیثیت سے ایک ممتاز درجہ حاصل ہے۔ یہ دریائے فرات کے کنارے شہر رقہ میں سکونت رکھتا تھا۔ اس نے ۹۲۹ عیسوی میں وفات پائی۔ علم المثلث کے تفاعل کا علم یورپ کو سب سے پہلے اسی مصنف سے معلوم ہوا۔ یونان و ہندوستان دونوں جگہ علم مثلث کا مطالعہ علم ہیئت کے تعلق سے کیا جاتا تھا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں جاکر کہیں مشرق میں علم مثلث ایک علیحدہ علم تسلیم کیا گیا۔

یونانی فلسفہ اور تاریخ سے عربوں کی ناواقفیت ان کے فلسفہ و علوم صحیحہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ عرب علما ایسی مستند یا جعلی

کتابوں میں فرق نہیں کرسکتے تھے جو قدیم مصنفوں سے غلط طور پر منسوب کردی گئی تھیں یا بعض وقت وہ ایسے ہم عصر فلسفیوں کو ایک دوسرے سے خلط ملط کردیتے ہیں جن کے نام یکساں تھے یا بظاہر یکساں معلوم ہوتے تھے۔ زمانہ تو مختلف تھا لیکن ان کے نام ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے تھے جیسے افلاطون اور فلاطینوس، دونوں کو وہ افلاطون کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ افلاطون کی تعلیم اور اس کے بعد کی ترقی یافتہ شکل نوافلاطونیت اور ارسطو کی تعلیمات کے فرق کو واضح طور پر محسوس نہیں کرسکے۔ اس طرح عربوں نے (دینیات) تھیالوجی کو، جس میں فلاطینوس (تیسری صدی عیسوی) کے اصول بھی شامل ہیں، ارسطو سے منسوب کردیا ہے۔ ارسطو کی تعلیمات کے متعلق عربوں کے ان وہمی تخیلات کو قرونِ وسطیٰ کے اہل یورپ بھی صحیح مان لیا کرتے تھے جنھوں نے یہودیوں کے کئے ہوئے ارسطو ــــــ کی کتابوں کے صرف ترجمے پڑھے تھے۔ بعد میں اصل یونانی کتابوں کے ذریعہ اہل یورپ کو معلوم ہوا کہ دینیات اور فلسفۂ تصوف کو ارسطو کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں کیتھولک فرقہ کے مدرسی عالموں کی طرح اسلامی فلسفیوں نے بھی یونانی فلسفہ اور مذہب میں تطبیق دینے کی کوشش کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مورخوں نے عربوں کے لئے مدرسیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

Marfat.com

اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں قریبی تعلقات قائم رہے ہیں۔ چنانچہ تہذیبی قدروں کے فوری تبادلہ میں ان تعلقات نے بڑی خدمت انجام دی ہے۔ طبری کی یادگار زمانہ تاریخ بغداد میں دسویں صدی عیسوی کی ابتداء ہی میں شائع ہوئی۔ اسلام کے ابتدائی صدیوں کے متعلق یہ تاریخ آج بھی ہماری معلومات کا خاص ماخذ ہے۔ طبری کی تاریخ اس صدی میں اسلامی دنیا کی انتہائی مشرقی و مغربی گوشوں تک پہنچ گئی۔ قریباً ایک ہی وقت اور ایک ہی زمانہ میں اس کتاب کے اقتباسات قرطبہ اور بخارا میں نقل ہو کر شائع ہوئے۔ قرطبہ میں جو اقتباس شائع ہوا وہ اندلس خلیفہ حکم ثانی (۹۶۱ تا ۹۷۶) کے لئے تھا جس میں اندلس اور افریقہ کی تاریخ کا ابتدائی حصہ بھی بطور ضمیمہ شریک کر دیا گیا تھا اور بخارا میں اس کے بعض حصوں کا فارسی ترجمہ امیر منصور اول سامانی کے حکم سے ہوا تھا جو اندلس کے خلیفہ حکم ثانی کا ہم عصر تھا۔ عربوں کے جغرافیائی ادب کی فوری نشر و اشاعت، اسلامی دنیا کے آپس کے گہرے تعلقات کی ایک دوسری مثال اور نویں و دسویں صدی عیسوی کے مسلمانوں کی تہذیب کی سب سے زیادہ قیمتی یادگار ہے۔ سب سے پہلے نقشے اور ہیئتی حسابات مامون کے عہد میں بمقام بغداد تیار ہوئے۔ دسویں صدی عیسوی میں

Marfat.com

الکندی کے ایک شاگرد ابوزید بلخی کی تحقیقوں کی وضاحت و تفصیل پہلے فارس کے اصطخری اور پھر ابن حوقل نے کی۔ ابن حوقل بغداد کا ایک تاجر تھا لیکن مستقلاً شمالی افریقہ میں رہتا تھا۔ دسویں صدی عیسوی کے مسلمانوں کی جغرافیائی کتابوں میں ہم کو اس زمانے کے اندلس سے لے کر ترکستان اور دریائے سندھ کے دہانے تک کے حالات ملتے ہیں جن سے دنیائے اسلام مرکب تھی۔ ان کتابوں میں خاص خاص شہروں کے مختلف حالات بتائے گئے ہیں، ہر قسم کی پیداواروں کی تفصیلیں دی گئی ہیں، آباد، غیر آباد، زرعی اور غیر زرعی زمینوں کی تقسیم کے متعلق واضح اور صحیح معلومات مہیا کی گئی ہیں، اور مختلف درختوں اور پودوں کو بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض پودے جیسے کپاس کا پودا یورپ میں سب سے پہلے مسلمانوں ہی نے پہنچایا۔ عربوں نے روئی یورپ میں پہلے اندلس و صقلیہ میں رائج کی تھی۔ چنانچہ مغربی یورپی زبانوں میں روئی کے لئے اب بھی عربی نام ہی رائج ہے۔ عرب جغرافیہ نگاروں ہی کی بدولت موجودہ عالموں کے پاس ایسا مواد جمع ہو گیا ہے جس کی بنیاد پر وہ یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ گزشتہ ہزار سال کے دوران میں مغربی اور وسطی ایشیا کے طبعی جغرافیائی حالات میں کس قدر کم تغیر ہوا ہے عربوں کے تہذیبی پیش روؤں نے، جن میں خود یونانی

شامل ہیں، قدیم زمانے کے متعلق ہمارے لئے اس قسم کی کوئی رودادیں نہیں چھوڑیں ہیں۔

مختلف ملکوں کے حالات کے علاوہ عرب جغرافیہ نگاروں کے یہاں ہم کو عمومی جغرافیائی نتائج نکالنے کی کوشش کا بھی پتہ لگتا ہے۔ علوم کی دوسری شاخوں کی طرح عرب جغرافیہ نویس علماء بھی اپنی معلومات کے لئے یونانیوں کے دست نگر تھے۔ لیکن مسلمانوں کو جس دنیا کا علم تھا وہ یونانیوں کی دنیا سے بہت زیادہ وسیع تھی کیونکہ اہل یونان آخر تک ان ملکوں کے متعلق انتہائی دھندلا تصور رکھتے تھے جو بحیرۂ خزر کے مغرب میں واقع تھے اور ہند چینی کے شمال میں ایشیا کے پورے مشرقی ساحل کے متعلق تو وہ کچھ جانتے ہی نہیں تھے لیکن اسکے برخلاف عرب جغرافیہ نویسوں نے دریائے ارتش و دریائے نسی کے منبعوں تک کے رستوں اور کوریہ کے اوپر کے ساحل کا حال بھی بیان کیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ عرب اہل یونان کے جغرافیائی تصورات دہراتے رہے ٹھیک اسی طرح جیسے ہندوستان و چین کا بحری راستہ دریافت ہونے کے پورے دوسو سال تک بھی اہل یورپ ایشیا کا نقشہ بطلیموس کے بنائے ہوئے نقشہ کے مطابق بناتے رہے۔ غرض یونانیوں کی طرح عرب جغرافیہ نویس بھی یہی خیال کرتے تھے کہ دنیا کا صرف ایک چوتھائی حصہ آباد ہے۔ وہ ہنوز اس پرانے

Marfat.com

خیال کے پابند تھے کہ انتہائی گرم مقاموں پر انسانوں کا بود و باش رکھنا ناممکنات سے ہے۔ اگرچہ عرب ملاح افریقہ کے ایسے مقاموں تک پہنچ چکے تھے جو خط استوا کے جنوب میں واقع ہیں جیسے زنجبار اور جزیرہ مدغاسکر۔ آخری یونانی جغرافیہ دانوں کی طرح مسلمان بھی زمین کے مسکونہ حصہ کو سات اقلیموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ اقلیمیں شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اور وسطی یا چوتھے اقلیم کی حدود میں اسلامی دنیا کے خاص خاص تہذیبی مراکز جیسے بغداد، اصفہان اور دوسرے شہر واقع ہیں۔ اپنے پیشرؤں کی طرح تعلیم یافتہ مسلمانوں اور بعد میں اہل یورپ کا یہ خیال کرنا بالکل قدرتی تھا کہ ان کے زمانے کا تمدن نوع انسان کی تمدنی کوششوں کا آخری و انتہائی نتیجہ ہے اور جس سے لطف اندوز ہونے کے لئے گویا قدرت نے انہی کو منتخب کیا ہے۔ مسلمانوں کے خیال کے مطابق درمیانی یا چوتھا منطقہ چونکہ نہایت گرم اور نہایت سرد ملکوں سے برابر فاصلے اور وسطی حصہ میں واقع تھا اس لئے انسانی سعی و کوشش کے لئے یہی حصہ سب سے زیادہ مفید مطلب تھا اور اسی کے لئے دنیا کا سب سے زیادہ مہذب خطہ ہونا مقدر ہو چکا تھا۔

علم و فن کی ان ترقیوں کا معاشرہ کے تہذیبی معیار پر اثر انداز ہونا لازمی تھا۔ اب مسلمانوں نے عالم اور ا[illegible]

Marfat.com

فرق کرنا شروع کر دیا تھا کسی علم کے ماہر خصوصی کو عالم کہا جاتا تھا اور ادیب کا لفظ ایسے تعلیم یافتہ شخص کے لیے بولا جاتا تھا جو تمام علوم کی جدید ترین تحقیقات سے آگاہ رہے اب ایسے قابل افراد پیدا ہونے لگے تھے جن کا کام علم و فن کو عام فہم بنانا تھا۔ قدیم طرز کے قادر الکلام شاعروں کے ساتھ ساتھ تخیلی شاعر بھی پیدا ہونے لگے تھے گو مسلمانوں کا خیال یہی رہا کہ ہر زمانہ میں فصاحت صرف عربوں ہی کی خصوصیت خاصہ رہی ہے اور تخیل صرف عجمیوں کی امتیازی شان۔ عمومی حیثیت سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عربی شاعری کو وہ مقبولیت کبھی حاصل نہیں ہوئی جیسی کہ فارسی شاعری کو ہوئی اس لئے اس نے دوسری قوموں کی شاعری پر وہ اثر کبھی نہیں کیا جو فارسی نے کیا۔ مسلمانوں کی تہذیبی برتری کا اظہار، رزم و بزم دونوں حالتوں میں، ان کی حکومتی تنظیم سے عیاں ہے۔ نویں صدی عیسوی ہی میں بازنطیہ میں ایک مسلمان فوجی استاد کا ذکر ملتا ہے جو موعودہ انعام نہ ملنے کی وجہ سے اہل بلغاریہ سے جا ملا تھا جو اس وقت بے دین تھے اور عیسائی نہ ہوئے تھے۔ اسی ماہر استاد کی بدولت اہل بلغاریہ نے یونانیوں پر پہلی بار فتح حاصل کی (۸۱۱ء) اسی صدی میں مغربی یورپ کے زائرین یہ دعویٰ کرنے لگے تھے کہ ان کی جان و مال اسلامی ملکوں میں خود ان کے وطن سے زیادہ محفوظ تھے۔

Marfat.com

بایں ہمہ معیار تہذیب کی ترقی نے عادات و اطوار یا معاشری حالات کی تبدیلی یا حکومت کے نظم و نسق میں تبدیلی پیدا کرنے میں مقابلتاً کم کام انجام دیا۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان فلسفی ارسطو و افلاطون کے نظریوں سے واقف ہو چکے تھے اور فارابی کی طرح بعض حکیموں نے سیاسی رسالے بھی تحریر کئے تھے لیکن وہ ہمیشہ ایک اچھے منظم مثالی شہر سے بحث کرتے رہے جس کو اصلی زندگی کی حقیقتوں سے بہت دور کا تعلق تھا۔ مثال کے طور پر ہم نظم و نسق کی تنظیم سے متعلق فارابی کے نظریہ کو پیش کر سکتے ہیں۔ فارابی کا خیال ہے کہ اگر وہ تمام صفات جو ایک حاکم کے لئے ضروری ہیں ایک ہی شخص میں مل جائیں تو اس کو مقتدر حاکم بنانا چاہئے اور اگر یہ صفات ایک ہی شخص میں نہ مل سکیں تو پھر کئی شخصوں کا ایک ماموریہ مقرر کرنا ضروری ہے جس میں بہ حیثیت مجموعی یہ سب صفات موجود ہوں۔

پہلے کی طرح متمدن شہروں کے عام مقاموں پر مجرموں کو سولی پر چڑھانے کے بہیمانہ نظارے اب بھی پیش آتے تھے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے انیسویں صدی کی ابتدا تک مغربی یورپ میں شوارع عام پر مجرموں کو سولی دینے کے رواج کو عوام کی تائید حاصل تھی کیونکہ کسی بڑے شہر کے لوگوں پر وہاں کے حاکم کو زیادہ اعتماد نہیں ہوتا تھا۔ الف لیلہ کے دل آویز تصویروں کے

Marfat.com

باوصف ہارون بغداد بہت کم آیا کرتا تھا۔ اس کے بیٹے معتصم (۸۳۳ء تا ۸۴۲ء) اور اس کے بعد آنے والے دوسرے خلفاء نے اپنے اور اپنے محافظ دستوں کے لئے دریائے دجلہ کے کنارے ایک دوسرا شہر تعمیر کیا جو بغداد سے تین دن کی مسافت پر تھا۔ منصور کے شہر کی طرح سامرا بھی ایک ایسے مقام پر تعمیر ہوا جہاں پہلے ایک نصرانی خانقاہ سے زمینیں خرید لی گئیں تھیں۔ مختصر سی مدت میں کسی شہر کے بڑھ جانے اور بارونق بن جانے کی بہترین مثال سامرا ہے۔ اس کی چوڑائی تو زیادہ نہیں تھی لیکن دجلہ کے کنارے کنارے شمال سے جنوب تک اس کی لمبائی ۲۵ میل سے کم نہیں تھی۔ یہاں معتصم اور اس کے بیٹے واثق نے (۸۴۲ء تا ۸۴۷ء) متعدد عمارتیں بنوائی تھیں۔ اسلامی مورخوں کے بیان کے مطابق واثق نے معتصم کے فوجی مقام کو ایک بڑا شہر بنا دیا تھا۔ ہمارے زمانے تک سامرا کی جو عمارتیں باقی رہ گئیں ہیں ان میں صرف معتصم کا محل اور متوکل (۸۴۷ء تا ۸۶۱ء) کی بنائی ہوئی جامع مسجد ہے۔ اسلامی دنیا میں سب سے پہلا مقبرہ سامرہ میں ایک خلیفہ کے لئے تعمیر ہوا۔ اس زمانہ تک خلفاء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق سیدھے سادھے طور پر دفن کیا جاتا تھا اور عام طور پر اسی مقام پر دفن کر دیا جاتا تھا جہاں اس نے وفات پائی ہو۔

Marfat.com

اب خلیفہ کی آخری آرام گاہ سے بھی اہمیت وابستہ کی جانے لگی معتمد (۸۷۰ء تا ۸۹۲ء) کے انتقال کے بعد اس کی لاش کو دفن کرنے کے لئے سامرہ لایا گیا کیونکہ وہ اپنے آخری ایام خلافت میں دوبارہ بغداد میں رہنے لگا تھا لیکن نویں صدی عیسوی کے بعد سامرہ کو پھر کبھی مرکزیت حاصل نہ ہو سکی۔ معتصم اور اس کے جانشینوں کی بنائی ہوئی عمارتوں کے کھنڈر آج بھی محفوظ ہیں لیکن منصور کا بنایا ہوا شہر پوری طرح تباہ ہو چکا ہے۔ نویں صدی عیسوی کے آخر میں جب خلفاء نے دوبارہ بغداد میں رہنے کا فیصلہ کیا تو وہ پھر ایک بہت بڑا تمدار شہر بن گیا چنانچہ دجلہ کے مشرقی کنارے یہ قریباً انیس میل تک اور مغربی کنارے قریباً چودہ میل تک پھیلا ہوا تھا۔ شہر کے مشرقی حصہ کے قریباً ایک تہائی حصہ پر خلیفہ کا محل، خلیفہ کے خدم و حشم اور محافظ دستے کے سکونتی مکانات تھے۔ بعد میں یہ حصہ حرم کہلانے لگا تھا محل سے بالکل متصل ہی مسجد جامع بھی موجود تھی اور حسب قاعدہ تمام باشندوں کے لئے کھلی ہوئی تھی اس زمانہ میں بغداد کے شہر میں اس جیسی اور بھی جامع مسجدیں موجود تھیں

بارھویں صدی عیسوی میں بغداد میں تقریباً گیارہ جامع مسجدیں تھیں جن میں سے آٹھ مغربی اور تین مشرقی میں تھیں۔ سقوط بغداد کے بعد بغداد اور سامرہ

Marfat.com

خلفاء کے محلات، قرطبہ سے لے کر بخارا تک کے ہر فرماں روا کے خاندان کے لئے نمونہ کا کام دیتے رہے۔

شہری زندگی کی ترقی کے بعد بھی خلافت کی مالیاتی تنظیم کی بنیاد زرلگان کی آمدنی ہی پر تھی۔ شریعت اور رائے عامہ دونوں صنعت و حرفت یا تجارت پر محصول لگانے کے موافق نہیں تھے۔ پھر بھی ہر جگہ اس قسم کے محصول عائد کئے جاتے تھے۔ Tariff (تعریف) کے لفظ میں ہم کو یورپ پر مسلمانوں کے احسان کی ایک اور مثال ملتی ہے۔ شریعت کی رو سے اسلام کے زیر اقتدار تمام علاقوں میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے ایک ہی قسم کے قانون کا نفاذ ضروری ہے۔ لیکن حکومت نے ایک ہی قسم کے قانون کے نفاذ کی کوشش بہت زیادہ نہیں کی۔ قدیم زمانے کی طرح اسلامی دور میں بھی مصر کے ساتھ دوسرے ملکوں سے مختلف قسم کا سلوک ہوتا رہا کیونکہ وہاں کی تمام زمینیں ملکتی جائداد تصور کی جاتی تھیں اسلامی علاقہ میں کسی جگہ بھی کسانوں کے لئے ایسے قوانین نہیں تھے جیسے کہ یورپ میں، کیونکہ یورپ کے زرعی قانون کی رو سے زرعی غلاموں کا مخصوص علاقے میں اور مخصوص زمین سے ہمیشہ وابستہ رہنا ضروری تھا۔ اسلامی علاقے میں اگر کوئی کسان اپنی کاشت کردہ زمین چھوڑ کر چلا جاتا تو کوئی اس میں مخل نہ ہوتا، زمین کے

Marfat.com

مالکوں کو بھی، اگر کوئی دوسرا کاشت کار زیادہ معاوضہ دینا چاہے تو پہلے کاشت کار کو بے دخل کرکے، دوسرے کو تفویض کرنے کا حق حاصل تھا۔ بہت سے اسلامی ملکوں میں ایک قسم کا جاگیری نظام پیدا ہوگیا تھا، جس کی رو سے جاگیردار کو زمین یا زمین کی آمدنی دینی پڑتی تھی۔ لیکن یہاں انسانوں کا تبادلہ کبھی نہیں ہوا، درآں حالیکہ قرون وسطیٰ کے مغربی یورپ میں اور انیسویں صدی عیسوی تک روس میں یہی عمل درآمد تھا۔

جیسا کہ ہم آئندہ باب میں دیکھیں گے ایران اور ترکستان میں اسلام کی اشاعت کے قدم بہ قدم شہری زندگی میں ترقی ہوتی گئی، ذات بندی کا نظام تتر بتر ہوا اور بڑی بڑی غیر منقولہ جائدادیں تقسیم ہوگئیں۔ ارمینیہ میں بھی یہی صورت حال پیش آئی۔ بہر طور فلسطین سے لے کر اندلس تک جن جن ملکوں نے عربی زبان اختیار کی وہاں معاشری حالت میں کوئی فوری تغیر ہوا اور نہ شہروں کی تعداد و وسعت میں قابل لحاظ اضافہ۔ حکومت اور کسانوں کے تعلقات حسب سابق رہے صرف اب کسان زمیندار کا اتنا دست نگر نہیں رہا جتنا کہ پہلے تھا۔ ان ملکوں میں اسلام اور قبل اسلام زمانوں کی طرح زمین کی ملکیت کو وہ اہمیت حاصل نہیں تھی جو ایران میں اس سے وابستہ کی تھی۔ غالباً اس واقعہ کا نتیجہ تھا کہ عربی مصنفین

Marfat.com

تہذیبی ترقی جلد رُک گئی۔ اور عرب قوم کے ذاتی کارنامے زیادہ نمایاں نہیں رہے حالانکہ ان کے علاقے وحشیوں کے حملوں سے نسبتاً کم پامال ہوئے تھے۔ دسویں صدی عیسوی تک جو تھے ڈھیے میں خلفا کا دنیاوی اقتدار عرصہ دراز ہوا کہ سلب کر لیا گیا تھا۔ بغداد و ایران دونوں جگہ پہلے تو ایرانی حاکموں اور بعد میں ترک خاندانوں کے زیر حکومت ایسا دور شروع ہوا جس کی خصوصیت سوائے انتشار اور تاریکی کے کچھ نہیں تھی۔ بحیثیت ایک بڑے شہر کے بغداد کا زوال گیارھویں صدی عیسوی سے پہلے شروع نہیں ہوا لیکن تیرھویں صدی عیسوی تک اسکی آبادی بہت گھٹ گئی بعض روایتوں کے بموجب ایک سابقہ مضافاتی محلہ اس زمانے میں شہر سے دو میل دور جا پڑا تھا۔ لیکن اس زمانے میں اندلس میں بنی اُمیہ اور مصر میں عبیدیین ترقی کے انتہائی زینہ پر پہنچ چکے تھے۔ نویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں قاہرہ کی شان و شوکت بغداد سے زیادہ ہونی شروع ہو گئی تھی۔ قدیم فسطاط سے کچھ فاصلہ پر شمال میں فاطمیوں نے جو شہر بنایا تھا اس کا نام قاہرہ قرار پایا۔ یہ فسطاط سے چھوٹا تھا گیارھویں صدی عیسوی میں وسعت پا جانے کے بعد اس کا رقبہ ایک ربع میل سے کم تھا گو عرصہ دراز تک فسطاط اور قاہرہ کے درمیان غیر آباد زمین پڑی ہوئی تھی لیکن اس کے باوصف

Marfat.com

یہ دونوں شہر ایک ہی خیال کئے جاتے تھے۔ گیارھویں صدی
عیسوی کے سیاحوں نے فاطمی دربار اور تمام ممالک محروسہ
پوری طرح بڑھی ہوئی مرفہ الحالی، امراء و وزراء کی علوم و
فنون کی سرپرستی، کتاب خانوں کے علمی ذخیرے غرض
ہر چیز کی شان و شوکت کا مرقع بڑی آب و تاب سے کھینچا ہے۔
لیکن ان سب ترقیوں کے باوجود دسویں صدی عیسوی کے
قاہرہ کا اسلامی تہذیب پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ مصر کے ان
شیعی خلفاء کا دعویٰ تھا کہ وہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہیں اس لحاظ سے
وہ بغداد کے سنی خلفاء کے رقیب تھے اس لئے انھوں نے
اپنے ملک کی سرحدوں سے آگے بڑھ کر اپنے عقیدوں کی تبلیغ
کرنی شروع کر دی۔ فاطمی خلفاء کے مبلغ شیعوں کی ایک شاخ
یعنی اسماعیلیوں کے عقیدوں کی تبلیغ کرتے تھے جن کا خیال
تھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی جانشین صرف
سات امام ہوئے ہیں آخری امام اسماعیل تھے جو ابتدائی
عباسیوں کے عہد میں گزرے ہیں۔ لیکن شیعیت و اسماعیلیت
کے عقائد کی ترتیب و تدوین فاطمیوں کے دربار
بلکہ ایران میں ہوئی۔ خود مصر میں شیعوں کی تبلیغ کا
اثر نہیں رہا۔ فاطمیین کے زوال کے بعد ...

Marfat.com

ی عقائد اختیار کر لئے۔ البتہ شام میں اہل سنت کو نہ صرف فاطمی حاکموں ہی سے معاملہ نہیں کرنا پڑا بلکہ عوام کی مخالفت سے بھی دوچار ہونا پڑا کیونکہ شام پر نہ صرف فاطمیوں کا قبضہ ہو چکا تھا بلکہ ایران سے بھی وہاں شیعی تبلیغ جاری تھی۔ دینی علوم میں مصر، شمالی افریقہ اور اندلس میں کوئی جدید اضافہ نہیں ہوا بلکہ رفتہ رفتہ ان ملکوں کے باشندوں نے مشرقی ایشیا کے ان نظاموں کو اختیار کر لیا جن کے متعلق عرصہ دراز تک یہ خیال قائم رہا کہ اب ان میں تبدیلی کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ شمالی افریقہ میں مالکی فقہ کا دور دورہ نمایاں طور پر رہا۔ اسلامی دنیا کے اس حصہ کے تہذیبی اور تمدنی انحطاط کا سبب بہت سے عالموں نے اسی واقعہ کو بتایا ہے۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اس فقہ میں ارتقائی منازل طے کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ قاہرہ میں فاطمی خلفاء کے حکم سے رصدگاہیں تعمیر ہوئیں، زیچیں تیار ہوئیں۔ لیکن اس دور میں علم ہیئت کے جو مشاہدے اور حسابات تکمیل کو پہنچے وہ سب کے سب درحقیقت ایران ہی میں ہوئے۔ گو تیرھویں صدی عیسوی میں مصری سلطانوں کی فتوحات کی وجہ سے مصر و شام مغلوں کے حملوں سے محفوظ رہے اور ایران تباہ و تاراج ہوا لیکن بایں ہمہ تہذیبی ترقی کے مرکز کی حیثیت سے ایران کی انفرادیت باقی رہی بلکہ

Marfat.com

اس نے خود مصر پر بھی اپنا اثر ڈالا۔ مصر کے نظم و نسق میں جو عربی اصطلاحیں رائج تھیں ان کی جگہ فارسی مترادفات اسی زمانہ میں رائج ہوئے۔ تیرھویں صدی سے پندرھویں صدی تک مصر میں فن عمارت کی غیر معمولی سرگرمی رہی لیکن علما، فن کی رائے ہے کہ اس میدان میں بھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصر نے ایران پر اتنا اثر نہیں ڈالا جتنا کہ ایران نے مصر پر۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے قبل اسلام زمانوں کی طرح اسلامی زمانے میں بھی مصر دوسرے ملکوں پر فضیلت رکھتا تھا مصر کی خشک آب و ہوا سے متعدد سرکاری دستاویزوں، تاریخوں اور تاریخی جغرافیوں کی تالیفوں کے مخطوطے بڑی حد تک محفوظ رہ گئے ہیں۔ اسی وجہ سے مصری تاریخ کے عالم اپنی تحقیق میں اس عظیم الشان ذخیرہ سے استفادہ کر سکتے ہیں کیونکہ سوائے مصر کے کسی اور اسلامی ملک کے متعلق اتنا وافر مواد دستیاب نہیں ہوتا۔ لیکن جہاں تک اثر کا تعلق ہے جس طرح قدیم زمانے میں مصر کو بابل کی برتری ماننی پڑی تھی اسی طرح اب بھی اس کو پہلے بغداد کی اور بعد میں ایران کی فضیلت تسلیم کرنی پڑی۔ علمی تصنیف اور ادبی تقلید کے سلسلے میں شام کا بھی یہی رجحان رہا تھا۔ جہاں دسویں صدی عیسوی میں آل حمدان کے دربار میں شاعری کو بہت زور حاصل ہو گیا تھا۔ اس ملک میں

تقریباً ایک صدی بعد صرف ابو العلاء المعری ایک بدیع الخیال شاعر و جدید منطقی فلسفی گزرا ہے۔ ابتدائی اسلامی زمانے میں اندلس پر علوم و فنون کی انتہائی ترقی کا ایک دور گزر چکا تھا۔ اور اس وقت سے لے کر قرون وسطیٰ کے نصف آخر تک شمالی افریقہ خصوصاً اندلس میں عربی شاعری اور بعض علوم خاص کر علم تاریخ کا چرچا برابر باقی رہا۔ لیکن ان ادیبوں اور عالموں نے کوئی جدید چیز نہیں پیش کی اور اس لئے انھوں نے اپنے ہم مذہبوں کی تہذیبی زندگی پر زیادہ اثر نہیں ڈالا۔ بارھویں صدی عیسوی میں ابن رشد نے اندلس میں بغدادی دور کے فلسفیوں کی تحقیقوں کو جاری رکھا۔ البتہ اتنا فرق تھا کہ اس نے ارسطو کے اصولوں کو اصلی حالت میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ گو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ افلاطون کے اصولوں کو نو افلاطونیت کی آمیزش سے پاک رکھ سکا جو فلسفۂ ابن رشد کے عالم مسلمانوں کے مقابلے میں کیتھولکی یورپ میں زیادہ پیدا ہوئے اور اس کی تعلیمات پر جس کفر و الحاد کی بنیاد رکھی گئی تھی اس کے خلاف سنت ٹامس اکیونس کو جنگ کرنی پڑی۔ صقلیہ میں اسلامی تہذیب کے کارناموں کا تعلق نصرانی بادشاہوں کے دور سے ہے۔ ۱۱۵۴ عیسوی میں صقلیہ کے نارمن بادشاہ روجر دوم کے لئے ایک پوری جماعت نے جس کا صدر ادریسی تھا

Marfat.com

چاندی کا ایک کرۂ (ارض) تیار کیا تھا۔ ادریسی نے ایک جغرافیہ بھی تالیف کیا۔ جہاں تک ایشیائی ممالک کا تعلق ہے اس کتاب کی پوری معلومات دسویں صدی عیسوی کے جغرافیہ نویسوں سے لی گئی تھیں۔

بہت سے اسلامی ملکوں خصوصاً مصر میں سائنس دانوں اور عالموں کو حکومت مادی امداد دیتی تھی لیکن ان کے کاموں کی قدر و منزلت، سرکاری حکام کے کاموں کے مقابلے میں کم ہوتی تھی۔ ہم اس نتیجہ پر اس لئے پہنچے ہیں کہ جو رقم اس قسم کے تہذیبی کاموں کے لئے دی جاتی تھی وہ حکومت کے موازنہ کا ایک ناقابل لحاظ جزو ہوتی تھی۔ اسلامی دنیا میں اور اس سے پہلے رومی سلطنت میں "فصاحت" ہی انسان کی ذہنی قابلیت شمار ہوتی تھی۔

بارھویں صدی عیسوی کا ایک اندلسی عالم ابن عتاب بیان کرتا ہے کہ بچوں کے لئے ساٹھ درہم (ڈیڑھ پونڈ) ماہانہ معاوضہ پر ایسا "اتالیق" مہیا کرنا آسان تھا جو صرف و نحو، عروض، ریاضی، علوم قرآنی اور ادب کا ماہر ہو لیکن اگر وہ فصاحت کے جوہر سے بھی آراستہ ہو تو ایک ہزار درہم ماہانہ معاوضہ دینے پر بھی اس کا راضی ہونا مشکل ہے۔ فاطمی خلیفہ الحاکم نے (۹۹۶ء تا ۱۰۲۱ء) قاہرہ میں جو بیت الحکمۃ

Marfat.com

قائم کیا تھا اس کا سالانہ موازنہ صرف دو سو ستاون دینار (ایک سو اٹھائیس پونڈ دس شلنگ) تھا۔ اس میں سے نوے دینار کتابیں نقل کرنے کے کاغذ پر اور نوے ستھ دینار کتب خانہ دار اور دوسرے ملازموں پر خرچ ہوتے تھے۔

چودھویں صدی عیسوی کے آخر میں شمالی افریقہ میں ابن خلدون جیسا مدبر و مورخ گزرا جس نے بعد کو مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس نے اپنی مصنفہ تاریخ پر مشہور مقدمہ میں دراصل مسلمانوں میں فن تاریخ میں بیانیہ طریقہ کی بجائے عملیت کے طریقہ کو رواج دینے اور تاریخی عمل کے قانون کو مقرر و مدون کرنے کی پہلی اور آخری کوشش ہے۔ اس کے مفہوم کے اعتبار سے تاریخ ایک "نیا علم" تھا۔ اس کے تمام نظریئے یونانیوں کی تاریخ عملیت سے بالکل جدا اور جدید تھے۔ یونانیوں کی بہ نسبت اس عرب مورخ کو بہت زیادہ وسیع تاریخی تجربہ حاصل تھا۔

سیاسی ہیئت کی تبدیلی کی بجائے، جو یونانیوں کے پاس اصول اولیہ کی حیثیت رکھتی تھی اس نے اپنے نظریہ کی بنیاد معاشی زندگی کی تبدیلی اور خانہ بدوشانہ زندگی سے متوطن زندگی نیز دیہاتی زندگی سے شہری زندگی کی تبدیلیوں پر رکھی۔ اب تک یہ نہیں معلوم ہو سکا ابن خلدون کے اصولوں پر کن استادوں اور کن کتابوں کا اثر پڑا تھا۔ قدیم زمانے کے اکثر نظریہ سازوں بلکہ خود ہمارے

Marfat.com

زمانے کے نظریہ سازوں کی طرح اُس کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے نظریوں کو تاریخی حقائق پر، جیسے کہ وہ واقعتاً تھے منطبق کر سکے۔ اسی لئے ڈیوڈ ورڈوس کی طرح اس کا مقدمہ گویا ایک معمولی عمارت پر نہایت ہی خوب صورت پیش رُخ تھا۔ مقدمہ سے قطع نظر اس نے وہی عام قسم کی ایک تاریخ لکھی ہے۔ قرون وسطیٰ کے تمام مورخوں کی طرح اس نے بھی بعض اوقات اپنے پیشرؤں کی عبارتیں لفظ بہ لفظ نقل کر دی ہیں۔ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ وہ پیدائشی عرب ہونے کے باوجود یہ خیال رکھتا تھا کہ اسلام کے تہذیبی کارنامے بحیثیت مجموعی ہر اسلامی ملک کے اتحاد و تعاون کا نتیجہ تھا اور یہ کہ وہ سب کے سب عربوں کے دوست نہیں تھے۔ ابن خلدون عربوں کو وحشی اور تمدن کو غارت کرنے والا سمجھتا ہے۔ بلاشبہ اس نے اسلامی تہذیب کو بجا طور پر اسلام سے پہلے کی تمام تہذیبوں کا ثمر تاج مانا ہے لیکن ساتھ ہی اس نے اس تہذیب کے انحطاط کے آثار کا بھی اندازہ لگا لیا تھا اور اس کے زوال کی پیشین گوئی کر دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ سوائے شاعری کے عربوں نے کسی فن میں کامیابی حاصل نہیں کی اور سیاسی زندگی میں تو انھوں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب اہل عرب کوئی شہر تعمیر کرنے کے لئے اراضی کا انتخاب کرتے ہیں تو ان کے پیش نظر

بدویانہ زندگی کی ضروریات ہوتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے جن شہروں کی بنیاد رکھی تھی وہ بہت جلد تباہ ہو گئے۔ ابن خلدون کو اپنے مادر وطن کی ہم عصر زندگی میں تباہی کے ایسے آثار نظر آتے ہیں جس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ حالانکہ آغاز اسلام سے اس وقت تک سوائے بدویوں کے اس پر کبھی دوسری وحشی قوم نے کوئی حملہ نہیں کیا تھا، ترکوں اور مغلوں کے ہاتھوں ایشیائی صوبوں کی تباہی میں اس کو اس سے زیادہ کوئی بات نظر نہیں آئی کہ مخصوص شہروں کی تباہی سے تہذیبی زندگی کو جدید مرکزوں میں منتقل ہونے کا رستہ ملا اور یہ تباہی اسلامی تہذیب کے عام زوال کا سبب نہیں بنی۔

اس کے تھوڑی مدت بعد ہی، تیرھویں صدی عیسوی میں اندلس میں اسلامی تہذیب کی آخری پناہ گاہ غرناطہ کو فاتح نصرانیوں نے مغلوب کر لیا۔ غرناطہ کی حیثیت ایک چھوٹی سی عرب ریاست کی سی تھی، لیکن آخر تک یہاں شاعری کا زور رہا اور یہی وہ مقام ہے جہاں قلعۃ الحمرا تعمیر ہوا جو فن تعمیر کی ایک شاندار یادگار ہے۔ یہ عمارت سُبک سامان تعمیر سے بنائی گئی تھی۔ درباری عمارت کی حیثیت سے مسلمانوں کی تعمیری یادگاروں میں جو عمارتیں ہمارے زمانے تک باقی رہ گئیں ہیں ان میں الحمرا سب سے زیادہ نادر روزگار ہے۔ مورخین فن کی

Marfat.com

رائے میں اس قصر کی بعض امتیازی خصوصیتوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اندلس و افریقہ کے فن تعمیر سے اس عمارت کا زیادہ تعلق نہیں ہے بلکہ عام اسلامی روایات خاص کر فلسطینی طرز تعمیر سے اس کا تعلق زیادہ گہرا ہے۔

اس زمانہ کے لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ سقوط غرناطہ سے پوری اسلامی دنیا پر ایک کاری ضرب لگی ہے۔ لیکن اس مصیبت کو عربی حب وطن کے نقطۂ نظر سے شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے قرون وسطیٰ کی اسلامی تاریخ کا آخری اہم واقعہ بارھویں صدی عیسوی میں خلفاء بغداد کے دنیوی اقتدار کا دوبارہ قیام تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اسلامی اغراض اور مسلمانوں کی فوجی جدوجہد میں کامل اتحاد و اتفاق تھا۔ بغداد کے باشندوں کو اس میں نہ صرف مسلمانوں کے حاکم اعلیٰ کے اقتدار کی بحالی نظر آتی تھی بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ عرب اجنبیوں کے محکوم ہونے سے آزاد ہو گئے ہیں لیکن خلفاء نے قومیت کا علم بلند کرنے اور اس کے نیچے ان تمام ملکوں کو جہاں عربی زبان بولی جاتی تھی جمع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے عرب قومیت کے نام پر نہیں بلکہ اسلام کے نام پر سلطان سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ وہ اسلامی اقتدار اعلیٰ کے حقوق کو تسلیم کرے۔ دارالخلافہ بغداد کو ۱۲۵۸ء میں ہلاکو کے تباہ و برباد کرنے سے بہت پہلے عربوں کی حکومت کا تخیل ختم ہوتا جا رہا تھا۔ اس طرح سقوط بغداد کی وجہ سے دنیا کے کسی حصہ میں بھی وہ مسرت نشاد مانی نہیں پیدا ہوئی جو کسی وقت نینوا و بابل اور مالی تباہی کے وقت

Marfat.com

چوتھا باب

ایرانی تہذیب اور اسلامی ملکوں پر اس کے اثرات

ہمیں معلوم ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی و تمدنی زندگی کے اس دور میں بھی جبکہ اسلامی دنیا کی ادبی زبان عربی اور صرف عربی تھی، ایرانی ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے لیکن یہ بات اب تک پوری طور پر واضح نہیں ہو سکی کہ ایرانیوں کی یہ سرگرمیاں کس حد تک زمانہ قبل اسلام کے ساسانی دور سے وابستہ تھیں۔ قدیم بابل کی سرزمین کو چھوڑ کر، جہاں ساسانی دارالسلطنت واقع تھا مگر جہاں کی آبادی کی زبان ایرانی یا فارسی نہ تھی، باقی اور تمام ساسانی صوبوں کا اثر اسلام کے مذہب، اس کی سیاسیات اور اس کے علوم پر اتنا گہرا نہیں پڑا، جتنا کہ مثلاً بلخ کے شہر کا پڑا، جو ساسانی حدود کے باہر تھا، اور جہاں عربی فتوحات کے وقت بدھ مذہب کے پیروؤں کا دور دورہ تھا۔ خلفاء بغداد کے مشہور زمان

Marfat.com

وزراء یعنی برامکہ بلخ ہی کے رہنے والے تھے۔ صرف برامکہ ہی نہیں بلکہ ان کے علاوہ بلخ میں بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی تاریخ علم وادب میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ ایرانی تمدن کی تاریخ کے لئے بلخ و بابل کی اہمیت اتنی زیادہ تھی کہ دارالسلطنت ایران اور بلخ میں غیر معمولی بُعد مسافت کے باوجود عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ ساسانی دارالسلطنت کی زبان بلخ کی زبان سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ غالباً ان لوگوں کا ایسا خیال کرنا صحیح نہیں تھا۔

عربوں کی فتح سے نہ صرف ساسانی مملکت کا بالکل خاتمہ ہوگیا بلکہ زمانۂ قبل اسلام میں وہاں جو مذہب اور ذات بندی نظام رائج تھا اس کو بھی ختم کر دیا گیا۔ زردشتی مذہب کے ماننے والوں کی کچھ نہ کچھ تعداد وہاں آج تک موجود رہی ہے۔ یہ لوگ گبر یا پارسی کہلاتے ہیں۔ لیکن اسلام کے زیر اثر توحید کا خیال قدیم عقیدوں پر پوری طرح غالب آچکا تھا۔ اس لئے اگرچہ زردشتی مذہب کی رُو سے باپ بیٹی، ماں بیٹے اور بھائی بہن میں نکاح ہوسکتا تھا لیکن مدت دراز سے پارسیوں میں یہ رواج باقی نہیں رہا۔ زردشتیوں میں باپ بیٹی وغیرہ سے نکاح کا جواز ایک مسلمہ حقیقت ہے لیکن اس کے باوصف نہ صرف قرون وسطیٰ میں بلکہ آج کل بھی زردشتی اس

Marfat.com

بات کو ثابت کرنے کی بار بار کوشش کرتے رہتے ہیں کہ نہ صرف اب بلکہ زمانہ قبل اسلام میں بھی اس قسم کے قبیح عقیدوں کا ان میں وجود تھا اور نہ اس قسم کے شادی بیاہ کا۔ اسطرح کی حُب وطن نے بیشتر تو مسلمہ حقیقتوں کے خلاف، زمانہ قبل اسلام کی ایرانی زندگی کے دوسرے شعبوں کو بھی متاثر کیا ہے مثلاً ساسانی دربار کی شان و شوکت شہنشاہ کی قوت و عظمت، حکمرانوں اور وزیروں کی عقل و فراست ملک کی تمدنی حالت وغیرہ۔ چنانچہ اسلامی دور کے تمام تمدنی کارناموں کا رشتہ خواہ یہ تمدنی کام بلخ ہی میں انجام پائے ہوں کسی نہ کسی طرح ساسانی حکومت کے نسلوں سے جوڑنے کی کوشش میں عجیب و غریب شجرہائے نسب گھڑ لئے گئے ہیں۔

یورپی عالموں کا پہلے یہ خیال تھا کہ ایرانی قومیت کی نشاۃ ثانیہ ایران میں موروثی حکمران خاندانوں کے قیام کا راست نتیجہ تھا اس لیے کہ یہ حکمران خاندان خلافت بغداد سے عملاً ہر طرح آزاد تھے۔ اس نظریہ میں یہ خیال کارفرما تھا کہ چونکہ ان خاندانوں نے اپنے اپنے مقبوضہ ملکوں کو بغداد اور خلیفہ سے بُعد و بیگانگی پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی اس لئے اس حد تک نہ صرف ایرانی بلکہ ترکی خاندانوں نے بھی ایرانی قومیت کو ترقی دینے میں بڑا حصہ

Marfat.com

لیا تھا۔ اس تحریک کو محمود غزنوی (۹۹۷ء تا ۱۰۳۰ء) سے شاید اس لئے منسوب کیا جاتا ہے کہ محمود گو ترک تھا لیکن غزنہ (افغانستان) میں اس کا دربار فارسی کے بہترین شاعروں کا ملجا و ماوی بن گیا تھا۔ چنانچہ ان شاعروں میں مشہور دوراں رزمیہ نظم شاہ نامہ کا مصنف فردوسی بھی شامل تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن حالات نے قدیم نظام کو کمزور کرنے میں مدد دے کر ایران میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی تھی، وہ بہت زیادہ پیچیدہ تھے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں جب ایرانی امیروں — دہقان — کو سرکاری ملازمتیں مل گئیں اور بہت سے زمینداروں کے معاشرتی و معاشی حقوق بھی محفوظ ہو گئے تو پھر اس جماعت نے ان فائدوں کے پیش نظر اپنی قدیم سیاسی اہمیت کے نقصان کو گوارا کر لیا۔ جیسا کہ کچھ زمانہ بعد یورپ کے جاگیری امیروں نے کیا۔ خود عربوں کے لئے ساسانی دور کا ایران ایک منظم مملکت کا بہترین نمونہ تھا۔ اس لئے ان کا خیال تھا کہ اگر ایسے ادارے قائم کئے جائیں جیسے ایران میں موجود تھے تو اس سے اسلام اور مسلمانوں کی قوت مضبوط ہو جائے گی چنانچہ خلفاء عباسیہ کے ایرانی وزیر و امیر پورے خلوص سے اپنے آپ کو راسخ العقیدہ مسلمان اور خلفاء کی وفادار سمجھتے تھے۔ گو شیعیت کے لئے ایران [illegible]

اس کو وہاں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ قومی احساس کا ایک جزو ہونے کی حیثیت سے اتنی نہیں ہوئی جتنی کہ مخالفت کا ایک عنصر ہونے کی وجہ سے۔

قم کی آبادی کا ایک کثیر حصہ عربوں پر مشتمل تھا، لیکن اس کے باوجود یہ شہر بہت جلد شیعوں کی مذہبی سرگرمی کا ایک مرکز بن گیا۔ آج بھی وہاں یہی حالت ہے ۱۹۱۸ء مشترکہ مقصد حاصل کرنے کے لئے ابتداء میں دہقان عوام کے ساتھ متحد ہو گئے تھے۔ عوام کے ساتھ مل کر دہقانوں نے شیعی سردار ابو مسلم خراسانی کے ماتحت آخری اموی خلیفہ سے جنگ کی لیکن اپنا متوقع مقصد حاصل ہوتے ہی ان سب لوگوں نے اپنی اپنی مصلحتوں کے مطابق حسب سابق اپنے طبقے علیحدہ علیحدہ قائم کر لئے۔ ابو مسلم مارا گیا اور اس کے ساتھی حکومت سے بغاوت کرتے رہے۔ دہقانوں میں برامکہ جیسے جوہر بر آور دہ لوگ تھے برابر خلفاء عباسیہ کی خدمت بجا لاتے رہے تا آنکہ ہارون الرشید کی حکومت کے آخری زمانہ میں مذہبی اور سیاسی ردِ عمل شروع ہوا۔ برامکہ اسی ردِ عمل کے شکار ہو گئے۔ غالباً ان رجعت پسندانہ تدبیروں اور اس مخالفت کی وجہ سے جو بعد میں شروع ہوئی، ہارون الرشید کے بیٹوں امین و مامون میں سیاسی اقتدار کے لئے کشمکش ہوئی۔ مامون نے شیعیت کا جھنڈا بلند کیا تھا لیکن بغداد میں داخل ہوتے ہی اس نے سبز رنگ ترک کر کے بنی عباس کا سرکاری سیاہ رنگ پھر

Marfat.com

اختیار کرلیا۔ مامون نے یہ فیصلہ عربوں کے زیر اثر نہیں کیا بلکہ اسکی تحریک خاندان طاہریہ کے بانی ایران نژاد طاہر نے کی تھی۔ جس طرح سابق میں برمکیوں نے کیا تھا، اسی طرح خاندان طاہریہ نے اسلام اور عربوں کے مفاد کے لئے ان ملکوں کو فتح کرنے میں عملی حصہ لیا جو بحیرۂ خزر کے جنوب میں واقع تھے۔ یہ ایسے ملک تھے جو ساسانی شہنشاہیت کے زمانے میں بھی نہ صرف آزادی بلکہ اپنی زندگی کے مخصوص طور طریق کو ایرانی اثر سے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے تھے۔ یہاں بھی عوام نے زردشتی مذہب ترک کرکے شیعی مذہب قبول کرلیا۔ ان ملکوں میں شیعیت کی اشاعت کا جاگیری نظام اور بڑے بڑے زمینداروں کی بربادی سے خاص تعلق رہا ہے۔ خلافت اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے خلاف کشمکش شروع ہوئی تو اس کے ساتھ ساتھ زمیندارانہ شورشیں بھی برپا ہوئیں۔ یورپ کی طرح یہاں بھی حکمرانوں نے عوام کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی، اور زمینوں پر کام کرنے والوں کو زمینداروں کے خلاف اکسایا، کیونکہ زمینداروں کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ عربوں کے حامی ہیں۔

حضری زندگی کی ترقی اور نئے تمدنی مرکزوں کی تشکیل سے صورت حال اور زیادہ پیچیدہ ہوگئی۔ نویں اور دسویں صدی عیسوی کے ایرانی شہروں میں ہمیں اصفہان کے متعلق سب سے

Marfat.com

زیادہ حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اسی شہر کے رہنے والے دو جغرافیہ نویسوں کی بدولت ہم کو شہر اور اس کے ماحول کے متعلق نہایت تفصیلی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ یہاں ہم کو وہ سب رجحانات یکجا ملتے ہیں جو اس دور کے تمام اہم مرکزوں میں موجود تھے۔

دسویں صدی عیسوی کے عرب محب وطن اور قوم پسند ابو الفرج الاصفہانی مصنف کتاب الاغانی کا مسقط الراس اصفہان ہی تھا۔ فارسی رزمیہ نظم کو جن آٹھ ادیبوں نے عربی میں منتقل کیا تھا ان میں سے تین شعرا کا وطن بھی اصفہان تھا۔ اصفہان کے چند علاقوں میں بعض مضافات میں تقریباً سب کے سب دہقان آباد تھے۔ حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ دہقان گو عملاً اس وقت سے ہر لحاظ سے کسان بن گئے تھے مگر پولستان کے شلافتوں کی طرح ان کو ہمیشہ اپنی شرافت نسب کا خاص خیال رہتا تھا۔ یہ سیدھے سادے گنوار دوں کو حقیر سمجھتے تھے اور شادی بیاہ صرف اپنی ہی برادری میں کرتے تھے۔ اصفہان کے دوسرے مضافات میں آبادی پچ میل تھی البتہ ادنیٰ طبقہ کے افراد کی ان میں کثرت تھی۔ اس مقام پر اس اشتمالی فرقہ کے اصول مقبول ہوئے جو ساسانی عہد میں ظاہر ہوا تھا لیکن اسلامی دور میں اس کی تجدید ایک نئے مقام سے کی گئی تھی۔

جو طبقہ علم و ادب کی خدمت میں مصروف تھا وہ پوری طرح

Marfat.com

کسی ایک فریق کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ حکمران طبقہ انہیں میں سے تھا یا ان کا ساتھ دینے والا تھا، اس لئے عوام کے علاوہ یہ حکمرانوں سے بھی دوستانہ طرز عمل رکھتے تھے کیونکہ یہ نہ صرف عربوں اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے مخالف تھے بلکہ ایرانی قومیت کا احساس رکھنے کے علاوہ شیعیت اور ملحدانہ خیالات سے بھی رواداری برتتے تھے۔ اس کے برخلاف تمدنی اور طبقہ وارانہ اغراض ان کو زمیندارانہ نقطہ نظر کی حمایت اور معاشرتی رجعت پسندی سے ہمدردی کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ اس طرح ایران کی تمدنی نشاۃ ثانیہ انتہائی پیچیدہ حالات میں ہوئی اور اب تک اس موضوع کی پوری طرح عالمانہ تحقیق سے وضاحت نہیں ہوئی۔ عربی حروف ابجی صرف تمام مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ کچھ مدت بعد حضرت زردشت کے پیروؤں نے بھی اختیار کر لئے۔ اب ایک نئی فارسی زبان وجود میں آئی جس میں قدرتاً بہت سے عربی الفاظ شامل تھے۔

قدیم فارسی کتابوں کو، جن میں مقدس کتابیں بھی شامل تھیں، بڑی مشکل سے پڑھا جانے لگا۔ اور جیسا کہ یورپی عالموں نے ثابت کیا ہے ان کے پڑھنے میں بہت سی غلطیاں بھی کی گئیں۔ نئی فارسی زبان نے قبل اسلام عرب کی بعض مروجہ بحروں سے کام لیا لیکن یہ بحریں نہ صرف عربی ناموں ہی سے موسوم

Marfat.com

بلکہ ان کا استعمال بھی عربی عروض کے مطابق ہوا۔ ایرانیوں نے اپنی شاعری کی ابتدار کے متعلق بھی کوئی مستند روایت محفوظ نہیں رکھی۔ عباس نامی کسی شاعر نے جب خلیفہ مامون مرو میں داخل ہوا تو اس موقع پر اس کے روبرو چند مدحیہ شعر پڑھے تھے۔ چنانچہ اکثر ان ہی شعروں کو نئی فارسی زبان کے اولین اشعار کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس دعویٰ کی بنیاد صرف اتنی ہے کہ شاعر نے اپنے شعروں میں جو دعویٰ کیا ہے کہ فارسی زبان میں اس سے پہلے کسی نے شعر نہیں کہے تھے۔ ان شعروں میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ بہت پُر شکوہ ہونے کے علاوہ بعد کی ترقی یافتہ زبان سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ غرض مضمون اور زبان دونوں اعتبار سے ان شعروں کی اصلیت میں بڑا شبہہ ہے۔

اس میں شبہہ نہیں کہ عباس نامی ایک شاعر ضرور گزرا ہے۔ نویں صدی عیسوی کا جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ نے، جس نے اپنی کتاب عربی میں لکھی ہے، عباس ابن طرخان کے فارسی شعر بھی نقل کئے ہیں۔ یہ عباس بن طرخان شاید وہی شخص ہے جس کا ذکر ابھی ہوا۔ ان شعروں میں فارسی کے بہت سے قدیم الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ نیز شہر سمرقند و شاش (تاشقند) کی تاریخ کے بعض ایسے واقعات کی طرف

Marfat.com

تلمیحات ہیں جن سے ہم بالکل ناواقف ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شعروں کا مصنف وسط ایشیا کا باشندہ تھا۔ اس عہد میں ایرانی دنیا کے ایک دوسرے سرے پر ارمی جھیل کے کنارے محمد بن بیاس جو دو قلعوں کا مالک تھا، عربی و فارسی میں شاعری کیا کرتا تھا۔ اس کے فارسی شعر ہم تک نہیں پہنچے اور نہ فارسی ادب کے کسی مورخ نے اس کے شعر نقل کئے ہیں۔ امام طبری، جنہوں نے اپنی تمام کتابیں عربی میں لکھی ہیں بیان کرتے ہیں کہ محمد بن بیاس کو اپنے وطن میں کافی مقبولیت حاصل تھی۔ اس شاعر کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ مامون کے خلافت کے آخری زمانہ میں اس نے آذربائجان میں مسلمانوں اور عربوں کے خلاف ایک شورش میں حصہ لیا تھا، جو بیس سال حد فرو ہوئی، لیکن اس دوران میں شورش کے فرو ہونے سے بہت قبل محمد بن بیاس عربوں کی مخالفت ترک کر کے خود ان کی حمایت کرنے لگا تھا لیکن پھر ایک مرتبہ اس نے خلیفہ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا۔

سب سے پہلے طاہریہ (۸۲۱ تا ۸۷۳ء) نے ایرانی الاصل اسلامی حکمران خاندان کی بنیاد رکھی تھی۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی ادب کے مخالف تھے اس لئے کہ ان کے خیال کے مطابق فارسی ادب اور خالص اسلامی اصولوں میں کوئی مناسبت

Marfat.com

نہیں تھی۔ لیکن آل طاہر نہ صرف اپنے ہی علاقہ خراسان میں بلکہ دوسرے علاقوں (مثلاً مصر میں) بلکہ خود بغداد میں بھی جہاں خلیفہ کے سامرہ میں اُٹھ جانے کے بعد، فوجی قوت بہت بڑی حد تک خاندان طاہریہ کے ایک فرد کے ہاتھ میں آگئی تھی) امن و امان قائم کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کئے ان سے عام تمدنی ترقی اور ضمناً ایرانی تمدن کی ترقی میں بڑی مدد ملی ہوگی۔ ان کے زمانہ میں مرو کی بجائے نیشاپور خراسان کا صدر مقام اور سب سے بڑا تمدنی مرکز بن گیا۔ اس کے مغرب میں بیہق کا علاقہ تھا جس کا ایک شہر سبزوار ہے۔ یہ مقام شیعی دعوت کا ایک خاص مرکز تھا۔ نویں صدی عیسوی کی ابتداء سے اسلامی دنیا کے بہت سے عالم و ادیب اسی خاک سے اٹھے تھے۔ نیشاپور کے مشرق میں طوس تھا۔ اس کے نواح میں شیعی امام علی رضا (متوفی ۸۱۸ء) کا مزار تھا۔ بعد میں اس مرکزی حصہ پر شہر مشہد آباد ہوا اور یہی اس وقت خراسان کا سب سے اہم شہر ہے۔

فارسی شاعری کا احیا سب سے زیادہ خاندان سامانیہ (۸۷۵ء تا ۹۹۹ء) کا مرہون منت ہے۔ ایک مختصر وقفہ کے بعد آل طاہر کے بعد آل سامان کو نہ صرف خراسان میں اقتدار اعلیٰ حاصل ہو چکا تھا بلکہ وہ ترکستان کے اس حصہ پر بھی مسلط ہو چکے تھے

Marfat.com

جسے مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ اب سامانیوں کا دارالسلطنت بخارا بھی بہت سے عالموں اور شاعروں کا مرکز بن رہا تھا۔ دسویں صدی عیسوی میں جو ملک اس خاندان کے زیر اقتدار آئے تھے ان کے متعلق خیال تھا کہ وہاں کی حکومت سب سے زیادہ اچھی ہے۔ سامانی بلخ کے رہنے والے تھے اور ایرانی نسل سے تھے۔ آل سامان کے اکثر حکمرانوں کے زمانے میں سرکاری زبان فارسی تھی لیکن یہ چیز ان کو عربی زبان میں لکھنے والے عالموں اور عرب ادیبوں کی سرپرستی کرنے میں مانع نہیں ہوئی۔ دسویں صدی عیسوی کے پانچویں دہے میں یہاں کی حکومت شیعی دعوت کے اثر میں آگئی۔ لیکن اس مختصر سے عرصہ کے علاوہ شروع سے آخر تک سامانی فرمانروا سنی مذہب کے پیرو اور حامی رہے، یہ تو معلوم ہی ہے کہ آل سامان کے لئے عربی میں ایک رسالہ بطرز سوال و جواب لکھا گیا تھا۔ پھر اس کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا تاکہ عوام الناس کو ملحدانہ تعلیم کے دھوکہ میں آنے سے روکا جا سکے۔

مشہور مورخ امام طبری نے قرآن کی جو تفسیر لکھی تھی وہ سامانیوں کے لئے فارسی میں منتقل کی گئی اور فارسی میں بھی اس غرض سے ایک مستقل تفسیر لکھی گئی۔ عربی کی طرح فارسی زبان کو بھی مذہبی مضامین کے اظہار کا ذریعہ بنانے کے لئے مذہبی پیشواؤں کے خاص فتووں کی ضرورت تھی۔ بعض عالموں نے تو یہاں تک

Marfat.com

دعویٰ کر دیا کہ عربوں کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیلؑ سے پہلے اکثر پیغمبر فارسی بولتے تھے۔ یہاں تک کہ بارھویں صدی عیسوی میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جن کو خیال تھا کہ خود حضرت ابراہیمؑ نے ایرانی شہنشاہوں کے دربار میں اپنی تعلیمات فارسی زبان میں پیش کی تھی۔ خالص اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو فارسی گو شاعر سامانیوں کی مدح سرائی کرتے تھے وہ خالص اسلامی نقطۂ نظر سے حد درجہ فاسق و فاجر تھے۔ سمرقند کے رہنے والے شاعر رودکی کو کسی زمانے میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ لیکن اب تو یہ گمنامی میں پڑا ہوا ہے۔ اس کے شعر ہیں ؎

روئے بمحراب نہادن چہ سود — دل بنجارا و بتان طراز

ایزد ما وسوسۂ عاشقی — از تو پذیرد و نپذیرد نماز

یہی شاعر کھلے بندوں شیعی خلفا ابنی فاطمہ سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ زمین و آسمان کے متعلق اس کا تصور وہی ہے جو مشرکوں کا تھا۔ یعنی زمین و آسمان انسان کے ماں و باپ ہیں۔ اپنے ایک ہم عصر کی موت پر رودکی کہتا ہے:-

جان گرامی بہ پدر بازداد — کالبد تیرہ بہ مادر سپرد

دقیقی نے سب سے پہلے ایرانی قوم کے رزمیہ فسانوں کو نظم کا جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ یہ شاعر کہتا ہے اور برملا کہتا ہے:

Marfat.com

دقیقی چار خصلت دوست دارد بگیتی از ہمہ خوبی و زشتی
لب یاقوت رنگ و نالۂ چنگ شراب لعل و کیشِ زردشتی

اسی دسویں صدی عیسوی میں خلافت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بحیرۂ خزر کے جنوبی کنارہ کے جنگ جو حکمرانوں نے ایران کے زیادہ متمدن علاقوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ اس تحریک کے بعض علم بردار کھلم کھلا کہتے تھے کہ ان کا مقصد خلافت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر ساسانی حکومت دوبارہ قائم کرنا ہے۔ چنانچہ بحیرۂ خزر کے ایک حکمران خاندان آل بویہ نے اپنا مقصد حاصل کرنے میں ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی۔ اس خاندان نے بغداد پر قبضہ کر کے خلیفہ کو دنیوی اقتدار سے محروم کر دیا۔ اب ان کے سکوں پر زمانہ قبل اسلام کے ایرانی حکمرانوں کا لقب شہنشاہ مضروب ہونے لگا۔ آل بویہ کی سلطنت کسی ایک حکمران کے ماتحت نہیں تھی۔ اس خاندان کے مختلف افراد نے مفتوحہ علاقوں کو آپس میں تقسیم کر لیا تھا، اس لئے اقتدار اعلیٰ خاندان کی ایک شاخ سے دوسری شاخ میں منتقل ہوتا رہتا تھا۔ ان کا کوئی مستقل دارالسلطنت بھی نہیں تھا، سب سے زیادہ طاقت ور حکمران جس شہر میں رہتا وہی اس وقت دارالسلطنت بن جاتا تھا۔ تقسیم اقتدار کے اس نظام کی خرابیوں کے باوجود آل بویہ نے شہری زندگی کی نشو و نما اور تمدنی مرکزوں کو ترقی دینے میں بھی حصہ لیا۔ ہر حکمران کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ جس شہر پر اس کا قبضہ

وہی سب سے زیادہ ترقی کرے۔ اس لئے وہ علماء و شعراء کو اپنے دربار سے وابستہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اب رفتہ رفتہ تمدنی سرگرمی کے مرکز بغداد و مصر سے منتقل ہو کر طہران کے جنوب مغرب میں رے، اصفہان اور شیراز جیسے بڑے بڑے ایرانی شہروں میں منتقل ہو رہے تھے۔ ان شہروں میں آل بویہ نے بہت سی کتابیں جمع کر کے بڑے بڑے کتب خانے جمع کر دیئے تھے۔

عام علم و ادب کے علاوہ یہ امراء علوم صحیحہ کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک رصدگاہ کا حال پڑھنے میں آتا ہے جو ان کی سرپرستی میں بمقام شیراز تعمیر ہوئی تھی۔ یہاں جو آلات مہیا کئے گئے تھے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قبل اسلام کے مقابلہ میں اب علم ہیئت کی تحقیقات کی طرف اہم قدم اٹھایا گیا تھا۔ آل بویہ کا ایک وزیر عالموں اور ادیبوں کو جمع کرنے کے لئے مختلف دن مقرر کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دن فقیہوں کے لئے مقرر تھا، ایک دن ادیبوں کے لئے مخصوص تھا، ایک دن عقیدوں پر بحث مباحثہ ہوتا تھا اور ایک دن فلسفہ کے لئے مخصوص تھا۔

چونکہ بحیرۂ خزر کے کنارے اپنے اصل وطن سے آل بویہ اپنے ساتھ کوئی علمی و ادبی روایات نہیں لائے تھے، اس لئے ان کو عربی ادب کے اثرات پوری طرح قبول کرنے پڑے اور

Marfat.com

انھوں نے فارسی ادب سے بھی کوئی اعتنا نہیں کیا۔ یہ جن تمام... سرپرستی کرتے تھے ان میں سے کسی فارسی گو شاعر کو شہرت عام کا خلعت نہیں ملا۔ درآں حالیکہ اس زمانے میں سامانیوں اور غزنویں کے دربار میں فارسی شاعری برسرعروج تھی۔ غزنویان کے دربار میں فارسی شاعری کی سرپرستی اس لئے بھی کی جاتی تھی کہ مغربی ایرانی صوبوں میں غزنوی سلاطین سامانیوں کے ہر طرح جانشین تھے۔ صوبۂ خراسان کے شہر طوس نے فردوسی جیسا شاعر پیدا کیا۔ تاریخی ترتیب کے اعتبار سے فردوسی پہلا فارسی شاعر ہے جس کی شہرت آج تک برابر باقی ہے۔ فردوسی نے شاہ نامہ میں فسانوی دور سے لیکر اسلامی فتح تک کی تمام ایرانی رزمیہ داستانوں کو جمع کردیا ہے۔ جیسا کہ ہم پڑھ چکے ہیں فردوسی سے پہلے دسویں صدی عیسوی میں دوسرے فارسی گو شاعر بھی گزرے ہیں جنھوں نے اس طرف توجہ کی تھی اور بجائے اصلی ماخذوں کے عربی ترجموں پر اپنی تحقیقات کی بنیاد رکھی تھی۔ فردوسی کا شاہ نامہ پوری ایرانی قوم کا قومی سرمایہ بن گیا۔ چونکہ ارمنی، چرکسی اور ترکی قومیں بھی ایران کے زیر اثر تھیں اس لیے رزمیہ داستان کی حیثیت سے شاہ نامہ نے ان قوموں کو بھی مسحور کردیا۔ دنیا کے ادب میں شاہ نامہ کا

حاصل ہے اس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ اس لئے کہ تمام دوسری قومیں اس وقت تک عروج حاصل کر چکی ہوتی ہیں جبکہ ان پر رزمیہ داستانیں پڑھنے کی بجائے کتابیں پڑھنے کا شوق غالب رہتا ہے۔ لیکن صرف ساسانی دور ہی میں نہیں بلکہ اسلام کے ابتدائی زمانے کے ایرانیوں پر بھی کتابیں پڑھنے کے رواج کا زبردست اثر تھا۔"

بایں ہمہ یہ قوم ابھی تک رزمیہ روایات ہی کے دور سے گزر رہی تھی۔ اسلامی عہد میں تمدنی زندگی کو غیر معمولی ترقی ہو چکی تھی اور فوجی طبقہ پر زوال آ چکا تھا۔ اس کے باوصف شاہ نامہ کی تقلید میں بہت سی مثنویاں لکھی گئیں۔ بیسویں صدی عیسوی تک کے ہر دور کے بادشاہوں کی مدح و ستائش فردوسی کی طرز ادا میں ہوتی رہی۔ ان میں بھی زندگی کا وہی فقدان نظر آتا ہے جو یورپ میں نام نہاد جعلی کلاسکی دور کی رزمیہ نظموں کی خصوصیت ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ فارسی شعرا ایک ایسے شاعر کی تقلید کرتے تھے جو اُن ہی کی قوم کا ایک فرد تھا۔ لیکن یورپی مقلدین کو یہ بات بھی حاصل نہ تھی۔

فردوسی کی زندگی میں ان نتیجوں کے متعلق پیش قیاسی کرنا ممکن نہیں تھا جو کتابی علم کی وجہ سے پیدا ہونے والے تھے۔

Marfat.com

قرونِ وسطیٰ کے یورپ کی طرح ایشیا میں بھی رزمیہ داستان کی سب سے بڑے مخالف مذہبی پیشوا تھے کیونکہ وہ کسی طرح یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ بے دین اکابر کی اتنی تعریف و توصیف کی جائے۔ اس شاعرِ اعظم کی شہرت کو مٹانے میں یہ جماعت کامیاب نہیں ہوئی تاہم اس کی وجہ سے فردوسی کو بہت رنج اٹھا کر مایوسی کے عالم میں دنیا سے کنارہ کش ہونا پڑا۔ فردوسی اپنا شاہنامہ لیکر سلطان محمود غزنوی کے دربار میں پہنچا۔ حالانکہ محمود کی تخت نشینی سے بہت پہلے ہی اس نے اپنا کام ختم کر لیا تھا۔ چونکہ سلطان دین دار لوگوں کے زیرِ اثر تھا اور خود بھی اپنے آپ کو اسلام کا حامی و مددگار سمجھتا تھا اس لئے اس نے شاعر کی تمنائیں پوری نہیں کیں۔ مایوسی کے عالم میں فردوسی نے سلطان کی ایک زبردست ہجو لکھی۔ شاعری کے اعتبار سے یہ ہجو شاہنامہ کے مصنف کے شایانِ شان تھی۔ اب وہ دوسرے بادشاہوں کے دربار میں پناہ ڈھونڈنے نکلا لیکن کسی نے اس کا خیر مقدم نہیں کیا۔ ہر چند کہ آلِ بویہ کو ساسانی روایتوں کے حامی ہونے کا دعویٰ تھا لیکن انھوں نے بھی فردوسی کی سرپرستی نہیں کی۔ یہ بہت تکلیفیں اٹھانے کے بعد آلِ بویہ کے ایک حکمران کے دربار میں فردوسی نے یوسف زلیخا کی مشہور مثنوی لکھی۔ اس مثنوی کی تمہید میں شاعر نے جواب

Marfat.com

بہت بوڑھا ہوچکا تھا، اپنے پہلے کام کی مذمت کی ہے اور پھر اپنے آپ کو سخت ملامت کرتا ہے کہ اس نے بے دین ابطال کو بڑھانے اور ان کے خیالی کارنامے بیان کرنے میں اپنی عزیز عمر رائگاں کی، کیونکہ ان کی قیمت ایک مشت خاک سے زیادہ نہیں۔ آخرکار مجبور و مایوس ہو کر شاعر پھر اپنے وطن طوس واپس آیا۔ اس وقت تک وہاں کے حکمران فردوسی کو بھول چکے تھے لیکن دیندار لوگوں کے دلوں سے وہ اب بھی محو نہیں ہوا تھا۔ ان لوگوں نے آخر تک اس کو معاف نہیں کیا اور مرنے کے بعد اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے نہیں دیا۔[1]

حاصل کلام یہ کہ دسویں صدی عیسوی میں بلکہ گیارھویں صدی عیسوی کی ابتدا تک بھی فارسی ادب، خاص کر ایران کے مشرقی صوبوں میں پورے عروج پر تھا۔ لیکن وہ ایرانی علما جو اپنی کتابیں زیادہ تر عربی زبان میں لکھتے تھے انھیں مغربی صوبوں میں زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ جوں جوں ملک کے مختلف

---

[1] بارتھولڈ نے جس وقت یہ عبارت لکھی تھی اُس وقت تک زیر بحث واقعہ کی تحقیق نہیں ہوئی تھی، لیکن اب یہ اچھی طرح ثابت ہوچکا ہے کہ فردوسی اور محمود کا قصہ بہت کچھ غلط اور بے بنیاد ہے۔ یوسف زلیخا کی مثنوی بھی فردوسی کی نہیں ہے۔

Marfat.com

صوبے تمدنی اعتبار سے ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ جغرافیائی امتیاز زیادہ نمایاں نہیں رہا۔ اس زمانہ کے عالم زمانۂ حال کے یورپی عالموں کی طرح صرف ایک ہی علم کے مطالعہ و تحقیق میں مصروف نہیں رہتے تھے۔ ایک ہی شخص مختلف علوم میں دست گاہ رکھنے کے علاوہ فرصت کے اوقات میں ادب کی طرف بھی متوجہ ہو سکتا تھا۔ اس قسم کا ایک عالم مشہور زماں ابن سینا ہے جو شاعر بھی تھا۔ ابن سینا بخارا کے کسی گاؤں میں ۹۸۰ء میں پیدا ہوا اور ہمدان و اصفہان کے بویہی حکمرانوں کے دربار سے وابستہ رہا۔ ہمدان میں اس نے کچھ مدت وزیر کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ابن سینا نے بہت ہی کم عمری میں قرآن حفظ کیا اور مقامی استاد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ بخارا میں جب اسماعیلی دعوت شروع ہوئی تو اس نے فلسفہ اور مابعد الطبعیات سے واقفیت بہم پہنچائی۔ اٹھارہ سال کا تھا کہ بشمول طب قریباً تمام مروجہ علوم سے واقف ہو چکا تھا۔ طب کو وہ تمام علوم سے آسان خیال کرتا تھا حالانکہ اسی علم میں اسے سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی لیکن سب سے زیادہ مشکل ارسطو کی مابعد الطبیعات کے مطالعہ میں ہوئی۔ ایک روز بازار میں محض اتفاق سے فارابی کا رسالہ تین درہم میں اس کے ہاتھ لگا۔ فارابی کے

Marfat.com

مدد سے اس کو ارسطو پر عبور حاصل ہوگیا۔ علم طب کی وجہ سے اس کو سامانی حکمران کے دربار میں رسوخ حاصل ہوا اور پھر شاہی کتب خانہ سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ سامانی حکمران کے اس کتب خانہ سے اس سے پہلے غالباً کسی اور عالم نے استفادہ نہیں کیا تھا۔ گیارھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں غالباً جب سامانی حکومت باقی نہیں رہی اور ملک پر ترکوں نے قبضہ کرلیا تو یہ بخارا سے نکل کر پہلے خوارزم آیا پھر بحیرۂ خزر کے صوبوں اور خراسان اور مغربی ایران میں پھرتا رہا۔ یہاں پھر اپنے علم طب کی وجہ سے اس کو خاندان بویہ کے حکمرانوں سے دوستی پیدا ہوئی۔ اپنے شاگردوں کی مدد سے اس نے جو بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی تھیں، ان میں "القانون فی الطب" علم طب پر ایک زبردست تالیف ہے۔ "قانون" کی اصطلاح یورپ کی عیسائی دنیا میں مذہبی قوانین کے لئے مروج تھی لیکن اسلام میں دنیوی قانون کے مجموعے کو یہ نام دیا جاتا تھا۔ بازنطیہ کی طرح بعض وقت اس اصطلاح کا اطلاق احصائی کتابوں (معلمہ) پر ہوتا تھا۔ گویا ایسی کتابیں علوم و فنون کے قوانین کا مجموعہ ہوتی تھیں۔ اپنی ایک دوسری کتاب کے لئے بھی اس نے طبی اصطلاح استعمال کی ہے یعنی کتاب الشفاء، لیکن درحقیقت اس میں منطق، طبعیات، مابعد الطبیعات، ہیئت اور دینیات سے بحث کی ہے۔ اصفہان کے بادشاہ کی فرمائش سے اس نے اپنے شاگردوں کی مدد سے فارسی زبان میں مختلف علوم اساسی

Marfat.com

ایک احصائی کتاب لکھی۔ اس میں منطق کو سب سے پہلے جگہ دی گئی ہے منطق کے بعد علوم شریفہ (ما بعد الطبیعات اور دینیات) اور آخر میں علوم رذیلہ (علوم طبعیہ) سے بحث کی ہے۔ اسکے بعد اُن علوم سے بحث کی ہے جو "علوم اربعہ" کہلاتے ہیں۔ اس حکیم نے جو بہت سی کتابیں لکھی ہیں ان میں طب پر عربی نظم میں چند رسالے اور تصوف کے رنگ میں کچھ فارسی رباعیات بھی شامل ہیں۔ اپنی عمر کے آخری دنوں میں یہ عربی لسانیات کا مطالعہ کرنے لگا تھا۔ ایسی وسیع علمی و ادبی مصروفیتیں بھی اس کو انتہائی بے لگام زندگی بسر کرنے سے نہ روک سکیں اور ابھی ساٹھ سال کی عمر بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ ۱۰۳۷ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ گو کسی شعبۂ علم میں بھی وہ دوسروں کی خدمات سے بے نیاز نہیں رہا تھا تاہم اپنے دور کے تمام علمی کارناموں پر عبور حاصل کر کے ان کو نہایت دانائی سے فن کارانہ طور پر پیش کرنے کی اس میں غیر معمولی صلاحیت تھی۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کی کتابیں اسلامی دنیا اور بعد کو یورپ میں بہت مقبول ہوئیں۔ سترھویں صدی عیسوی کے ایران میں فلسفے کو جو ایک مرتبہ پھر غلبہ حاصل ہوا اور جو انیسویں صدی عیسوی تک باقی رہا وہ اسی کی تصانیف کا نتیجہ تھا۔ مذہبی گروہ اور اس کو ناپاک فلسفہ کا خاص حامی اور سیدھے سادھے عوام الناس اُسے ایک جادوگر سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی خیال تھا جیسا کہ قرون وسطیٰ کے یورپ میں ڈاکٹر فاؤسٹ کے متعلق تھا۔

Marfat.com

ابن سینا کا ہم عنصر ابو ریحان بیرونی (۹۷۳ء-۱۰۴۸ء)

ایک بالکل دوسرے ہی قسم کا عالم تھا۔ اس میں اور ابن سینا میں بہت سے علمی مسئلوں کے متعلق خط و کتابت ہوتی رہتی تھی جو بعض وقت سخت اختلاف کی حد تک بھی پہنچ جاتی تھی۔ بیرونی خوارزم میں پیدا ہوا تھا، جہاں وہ حکمران کا مشیر بھی ہو گیا تھا۔ اپنی زندگی کے چالیس سے زیادہ سال اس نے یہیں گزارے۔ البتہ اس دوران میں صرف چند سال جرجان (بحیرۂ خزر کے جنوب مشرق میں قدیم ہرکانی کا علاقہ) اور اس مدت کا کچھ عرصہ سفر میں گزرا۔ جہاں تک ہمیں علم ہے اس نے بڑے لمبے سفر کیا تھا۔ بعد کو بیرونی غزنی میں محمود اور اس کے جانشینوں کے زیر سایہ رہنے لگا۔ یہاں سے اس نے ہندوستان کے متعدد سفر کئے۔ افسوس ہے کہ بیرونی جیسے عظیم المرتبت عالم دان معنوں میں کہ اس نے اپنی کتابیں عربی زبان میں لکھی تھیں) کی کتابوں کی اشاعت کی ٹھیک ٹھیک تاریخ کا ہمیں علم نہ ہو سکا۔ بہر طور ایک ہم عصر یورپی متخصص کے الفاظ میں اس نے علم ہیئت کے قوانین پر "لاثانی" کتاب تالیف کرنے کے علاوہ قوموں کے "تاریخی نظام" پر ایک "احصائی" تالیف اور ہندوستان پر ایک کتاب لکھی۔ یہ کتاب نقطۂ نظر کی وسعت اور علمی معروضیت کے وصف سے خاص طور پر ممتاز ہے۔ اس کا خاص موضوع ہندی علوم اور مذاہب ہیں۔ ان کے متعلق بیرونی نے اپنی معلومات اصل سنسکرت ماخذوں سے حاصل کی تھیں۔

Marfat.com

بیرونی بغداد و بصرہ دونوں دبستانوں کے عالموں کی کتابوں سے بخوبی واقف تھا لیکن ان کو وہ از کار رفتہ خیال کرتا تھا۔ نویں صدی عیسوی میں بصرہ کے سب سے زیادہ مقبول عام فلسفی جاحظ کو وہ سادہ لوح سمجھتا ہے۔ خود بیرونی نے ہیئت یا ریاضی میں کوئی اصلاح نہیں کی۔ اپنے دوسرے ہم عصروں کی طرح وہ بھی نجوم پر اعتقاد رکھتا تھا۔ اس کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد سے پہلے ان علوم کے مسلمہ تصورات میں اصلاح کرنے کی بہت سی کوششیں کی گئیں تھیں۔ ابوسعید سنجری نے ایک اصطرلاب بنایا تھا جو اس مفروضہ پر مبنی تھا کہ زمین متحرک اور آسمانی گنبد ساکن ہے۔ بیرونی کے زمانہ میں عام طور پر یہ نظریہ صحیح تسلیم کیا جاتا تھا لیکن یہ اس کا پوری طرح قائل نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ مسئلہ "مشکوک" اور "اس کا حل بہت مشکل ہے"۔ بیرونی کے بہت مدت بعد چودھویں صدی عیسوی کا ایک عرب عالم رازی اس بات پر تعجب کا اظہار کرتا ہے "تعجب ہے کہ ایسے دور میں نہ معلوم بیرونی کو اس مسئلہ کے صحیح سمجھنے میں کیا دقت پیش آئی جبکہ حرکت زمین کا مفروضہ ابن سینا اور اس کے پیشتر رازی جیسے طبیب اور ہیئت دان نے واضح طور پر ثابت کر دیا تھا۔ رازی کا انتقال ۹۳۲ عیسوی میں ہوا۔

ہمارے زمانے کے عالموں کے لئے غیر اسلامی عقیدوں کے

Marfat.com

خصوصاً ہندی مذاہب کے متعلق بیرونی کی آرائے بہت زیادہ دلچسپ ہے۔ بیرونی اس بات کا قائل تھا کہ مذہبی عقیدے ہر جگہ ایک ہی قسم کے نفسیاتی محرکات کے زیر اثر رہتے ہیں۔ عوام الناس اور چند منتخب لوگوں کے عقیدوں میں ہر جگہ نمایاں فرق و امتیاز موجود رہتا ہے۔ بیرونی مذہبی تعلیمات کو بغیر کسی اختلافی رنگ کے پیش کرتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے ہر مذہب کے متعلق اس کے پیروؤں کے مستند بیان پیش کرتا ہے۔ جب وہ دو مذہبوں کا مقابلہ و موازنہ کرتا ہے تو اس سے اس کا مقصد علمی تقابلی طریقہ اختیار کر کے کسی مذہب کی تعلیمات اور جس اصل اصول پر وہ تعلیمات مبنی ہیں اس کو نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ اسلامی ادبیات میں دوسرے مذہبوں سے رواداری اور معروضی نقطۂ نظر سے بحث کرنا بیرونی کے زمانہ میں بھی کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس لئے جہاں تک معروضیت کا تعلق ہے اس کی کتابیں کوئی استثنائی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اس سے پہلے نویں صدی عیسوی میں یعقوبی نے خالص معروضی نقطۂ نظر سے اپنی تاریخ میں نصرانیوں کی مقدس کتابوں کے مضامین پوری صحت و تفصیل کے ساتھ پیش کئے ہیں۔

نویں صدی عیسوی کے آخر میں بمقام غزنی فارسی زبان میں کتاب المذاہب کے نام سے ایک کتاب تالیف ہوئی تھی۔ خود بیرونی اپنے استاد ایرانشہری کی کتابوں کی بڑی ستائش کرتا ہے

Marfat.com

جن میں نصرانیوں، یہودیوں اور رومانیوں کے مذاہب سے بحث کی گئی تھی۔ افسوس ہے کہ ایرانشہری کی کتابیں ہم تک نہیں پہنچیں اور نہ ہمیں ان کے متعلق کچھ مزید معلومات حاصل ہیں۔ بیرونی لکھتا ہے کہ ہندوستانی قوموں کا ذکر کرتے ہوئے ایرانشہری سے بہت سی غلطیاں ہوئیں ہیں۔ کیونکہ اس نے ان لوگوں کے بیانوں پر یقین کر لیا تھا جو ہندوستانی مذہبوں سے اچھی طرح واقف نہیں تھے۔ اسلامی ادبیات کا جو ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے اس میں بیرونی کی کتابوں کو ایک استثنائی درجہ حاصل ہے۔ اس لئے کہ ان کتابوں میں علاوہ معلومات کی کثرت کے علمی طریقوں سے پوری طرح بحث کی گئی ہے۔ گو ان کتابوں میں ہم کو بیرونی بعض وقت ایک ایسے پرجوش ایرانی محب وطن کے رنگ میں نظر آتا ہے جو زمانۂ قبل اسلام کے ایرانی تمدن اور عربوں کی فتح کے بعد اس کی تباہی پر آنسو بہاتا ہے۔ مذہبی عقائد کے اعتبار سے بیرونی شیعہ تھا اور بہت سے تعلیم یافتہ ایرانیوں کی طرح مذہب مانی سے ہمدردی رکھتا تھا۔ سیاسیات میں اس نے کوئی اصلاحی تجویز پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی نظر میں حکومت اور مذہب ـــــ چنانچہ غزنوی حکومت کی کوششیں ہمیشہ اسی مدعا کے حصول میں صرف ہوئیں ـــــ یا زمانۂ حال کی اصطلاح میں مملکت اور مذہب میں اتحاد و ہم آہنگی پیدا کرنا

کسی طرح سیاسی ادارے کا سب سے اعلیٰ نصب العین ہے اور تمام انسانی آرزوؤں کی آخری حد بھی یہی ہے۔ بیرونی جس قسم کی زبان استعمال کرتا ہے وہ نہایت مشکل و مغلق ہوتی ہے۔ یہی چیز اس کی مقبولیت میں حائل رہی۔ مدت دراز سے علما اس کی کتابوں کی ذاتی خوبیوں کی بنا پر ستائش کرتے آئے ہیں لیکن ان کتابوں کا عامتہ الناس پر زیادہ اثر نہیں پڑا۔ انیسویں صدی عیسوی تک یورپی علما اس کی کتابوں سے لاعلم تھے۔ حالانکہ ایک اندلسی یہودی ابراہیم بن عذرا نے بارھویں صدی عیسوی میں ہئیتی زیچوں سے متعلق اس کی ایک کتاب کا عبرانی میں ترجمہ کر دیا تھا۔ خود بیرونی کہتا ہے کہ اس نے اپنی کتابیں عام قاریوں کے لئے نہیں بلکہ عالموں کے لئے لکھی ہیں۔ گو اس کے علمی کارنامے اتنے مختلف النوع نہیں ہیں جتنے کہ ابن سینا کے۔ بایں ہمہ اس نے بھی فارسی زبان کے چند قصے عربی میں منتقل کئے ہیں بلکہ عربی میں چند شعر بھی کہے ہیں۔ لیکن خود ہی لکھتا ہے کہ اس کی ادبی تصنیفیں محض تفنن طبع کا نتیجہ ہیں۔

عام طور پر گیارھویں صدی عیسوی کو اسلامی تمدن کی انتہائی ترقی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال ہے کہ زوال کی ابتدا بھی اسی عہد سے شروع ہوئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمدنی زندگی کے بہت سے شعبوں میں کم از کم ایران کی

Marfat.com

حد تک، مزید چند صدیوں تک برابر ترقی ہوتی رہی۔ گیارھویں صدی عیسوی تک اجتماعی زندگی ہر جگہ شہرستان یا قدیم قسم کے شہروں سے ہٹ کر ان مضافات میں منتقل ہو گئی جن کی ترقی اسلامی حکومت کی رہین منت ہے۔ پچھلے صفحوں پر جس قسم کے شہروں کا ذکر ہوا ہے ان کی وضع قطع آخری طور پر اسی دور میں قائم ہوئی۔ بایں ہمہ شہروں کی وسعت اتنی زیادہ نہیں ہوتی جتنی کہ بعد کے زمانہ میں ہوئی۔ گیارھویں صدی عیسوی کا سب سے بڑا شہر اصفہان تھا۔ اس کا دور قریباً سات مربع میل وسیع تھا۔ اسلامی ایران کی جو قدیم ترین تاریخ کندہ عمارت اس وقت تک باقی ہے وہ ۱۰۰۶ء تا ۱۰۰۷ء میں بنی تھی۔ یہ عمارت جرجان کے امیر قابوس بن دشمگیر کا مقبرہ ہے۔ اس کی تعمیر گیارھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ہوئی تھی۔ یہ اس نمونہ کے مطابق تعمیر ہوئی تھی جو بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقوں اور قفقاز میں کثرت سے رائج تھا۔ بلکہ کلیسا بھی اسی وضع کے بنائے جاتے تھے۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ کثیر الجہت عمارت پر ایک مخروطی مینار کھڑا کیا جاتا تھا۔ عربی زبان میں جو عبارت کندہ ہے اس میں اس کو قصر سے موسوم کیا گیا ہے۔ ایران کے بعض مقاموں، مثلاً اصفہان میں اس اصطلاح کا اطلاق ایسی عمارت پر ہوتا ہے جو گورستانوں میں کسی قبر پر بنائی

Marfat.com

جاتی ہے۔ یہاں کے لوگ آج کل اس عمارت کو گنبد کہتے ہیں۔
پہلی اصطلاح کی بجائے دوسری اصطلاح غالباً اس لئے چل پڑی کہ اول الذکر قسم کی عمارت کی بجائے اب ایسی عمارتیں تعمیر ہونے لگیں جن کے اوپر گنبد ہوتے تھے۔ دوسری قسم کی عمارتوں میں ایک قدیم عمارت مَرْو میں سلطان سنجر کا مقبرہ ہے جو بارھویں صدی عیسوی کے نصف اول میں تعمیر ہوا تھا۔ لیکن اس کا گنبد نکیلا نہیں بلکہ سپاٹ ہے۔ تاہم اس کے مقبرہ کی بلندی قریباً اٹھاون گز ہے۔ اس کی نہایت موٹی موٹی دیواریں اینٹ کی بنی ہوئی ہیں جن کا حجم قریباً تین گز ہے۔ بعد کی صدیوں میں دیواروں کی اس زبردست موٹائی کا تصور کرنا بھی مشکل تھا۔ بر سبیل اطلاق دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانہ کی عمارتوں میں جو اینٹ استعمال ہوتی تھی وہ بعد کی عمارتوں کی اینٹوں سے بہتر ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں قدیم اینٹوں کی جسامت بھی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ البتہ ابتدائی عہد میں اینٹ کا استعمال کم ہوتا تھا۔ اس کے بعد جیسا کہ آج کل یورپ میں ہو رہا ہے، کفایت کے خیال سے معمولی قسم کے مسالہ پر اکتفا کرنا پڑتا تھا۔
ایران کے اسلامی فن تعمیر کی ابھی تک کوئی تاریخ

Marfat.com

نہیں لکھی گئی۔ اس کی مکمل وضاحت سے پہلے بہت سی تمہیدی تالیفوں کی ضرورت پڑے گی۔ آل بویہ کے عہد میں ایران کی مسجدوں کا عام نمونہ کیا تھا اس کا ہمیں علم نہیں۔ گیارھویں صدی عیسوی کے مشہور ایرانی اہل قلم ناصر خسرو نے لکھا ہے کہ ہر علاقہ کی شیعی مسجدوں میں ایک خاص قسم کی محبوب صورتی پائی جاتی ہے۔ لیکن اس سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس سے خسرو کی مراد کس قسم کی مسجدوں سے ہے۔ مختلف صوبہ داری نمونوں کی ترکیب و آمیزش — اگر واقعی کوئی صوبہ واری نمونہ تھا — اور عمومی حیثیت سے تمدنی قدروں کے لین دین پر وسط ایشیا کے سلجوقیوں کے جانشینوں نے کچھ کم اثر نہیں ڈالا ہوگا۔ اس لئے کہ گیارھویں صدی عیسوی میں اس ترک خاندان نے پورا ایران فتح کر ڈالا تھا۔ علاوہ ازیں، گو ایک تھوڑی سی مدت کے لئے سہی، بحیرۂ روم اور بحیرۂ احمر سے لے کر چین کی سرحدوں تک ایشیا کے تمام مسلمان انکے زیر سیادت متحد ہو گئے تھے۔

دسویں صدی عیسوی کے آخر میں لوگوں کو توقع تھی کہ ایران کے مغربی حصہ پر مشرقی ایران والے یورش کریں گے۔ گو آل بویہ کے بعض فرمانرواؤں نے تمدنی خدمتیں بھی انجام دیں تھیں اور وہ علوم و فنون کی سرپرستی بھی

Marfat.com

کیا کرتے تھے، بایں ہمہ ان کو بحیرۂ خزر کے وحشی قبیلوں کا سردار بھی سمجھا جاتا رہا۔ اور سامانیوں سے موازنہ کرتے ہوئے ان کو امن و امان اور شائستگی کے تباہ کرنے والا خیال کیا جاتا تھا۔ ہمیشہ یہ خیال لوگوں کے دلوں میں رہا کہ مشرق یعنی خراسان کے سامانی علاقہ میں کوئی ایسا بادشاہ پیدا ہوگا جو "عالم و فلسفی ہوگا" اور وہی مغرب میں امن و امان بحال کرنے میں کامیاب ہوگا۔ یہ امیدیں پوری کی پوری تو بر نہیں آئیں۔ کسی عالم بادشاہ کی بجائے خانہ بدوش قبیلہ کا ایک سردار مغرب آیا جو باعتبار تہذیب و شائستگی آل بویہ سے بہت فروتر تھا۔ ایران میں ایک صدی سے زیادہ حکومت کرنے کے بعد بھی سلجوقی ناخواندہ ہی رہے۔ بارھویں صدی عیسوی میں ان کی حکومت کے زوال کے بعد سیاسی قوت بہت سے چھوٹے چھوٹے خاندانوں میں تقسیم ہوگئی۔ یہ خاندان زیادہ تر ترکی نسل سے تھے۔ بایں ہمہ جب سلجوقیوں نے ایران فتح کیا تو نہ صرف خراسان کے علماء و شعراء کو اپنی جولانیاں دکھانے کا موقع ملا بلکہ سامانی اور غزنوی عہد کے سیاسی روایات کے حامیوں کو اپنی سرگرمیوں کو بروئے عمل لانے کے لئے وسیع میدان ہاتھ آیا۔ آخر الذکر لوگوں میں ایک نظام الملک طوسی بھی ہے۔ مدت دراز تک (۱۰۶۴ تا ۱۰۹۲ء)

Marfat.com

سلجوقیوں کی پوری وسیع سلطنت میں اسی کی شخصیت سب سے زیادہ با اقتدار تھی۔

اسی دور میں تمدنی زندگی اور تجارت وصنعت کو ترقی دینے کے لئے بہت سے طریقے اختیار کئے گئے۔ نامکمل عمارتیں مکمل کی گئیں جن میں سے بعض اس وقت مغربی ایران میں موجود ہیں۔ نئے شہر بسائے گئے جن کے گرد پختہ اینٹوں کے حصار تعمیر کئے گئے تھے۔ سلجوقیوں کے دربار میں فارسی شاعروں کی قدر افزائی کی گئی۔ اس قدر افزائی میں سلجوقیوں کے جانشینوں نے اور زیادہ مبالغہ کیا۔ ۱۰۴۸ء میں فخرالدین اسعد نے پہلے سلجوقی سلطان کو ایک منظوم عشقیہ داستان ویس ورامین نذر کی۔ یہ مثنوی دراصل پہلوی سے فارسی میں ترجمہ کی گئی تھی۔ اسعد کے زمانہ میں لوگ پہلوی زبان بالکل بھول چکے تھے۔ خود اسعد لکھتا ہے: پہلوی زبان میں لکھی ہوئی کتابوں کو ہر شخص اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا، اور اگر کوشش کر کے کچھ پڑھ بھی لے تو اس کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ بارھویں صدی عیسوی کے دو شاعر انوری و نظامی کو خود ایرانیوں نے فارسی زبان کے سب سے بڑے شاعروں میں شمار کیا ہے۔ انوری نے زیادہ تر سلطان سنجر کی قصیدہ خوانی کی ہے اور نظامی نے عشقیہ مثنویاں زیادہ لکھی ہیں۔ نظامی قفقاز کے شہر

Marfat.com

پیدا ہوا اور انتقال بھی وہیں کیا۔ بعض یورپی عالموں نے نظامی کو فردوسی سے صرف دوسرے درجہ پر رکھا ہے نظامی کی شاعری نے فارسی کے علاوہ ترکی زبان پر بھی زبردست اثر ڈالا ہے۔

سلجوقیوں نے ایران میں سُنّیوں کی سیادت قائم کردی تھی لیکن شیعیت کو ختم کرنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ گیارھویں صدی عیسوی کی ابتداء سے لے کر بارھویں صدی عیسوی تک، ایران مذہبی کشمکش کا آماجگاہ بنا رہا۔ اس کشمکش کی ابھی تک کسی نے پوری طرح وضاحت نہیں کی۔ گیارھویں صدی عیسوی کے آخر میں اسماعیلی دعوت نے ایک نیا رنگ اختیار کیا۔ اسماعیلیوں نے ایران کے اکثر علاقوں بلکہ شام میں بھی بہت سے فصیل بند قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسماعیلی تحریک نے خالص قومی رنگ اختیار نہیں کیا تھا۔ اس تحریک میں طبقہ واری اغراض کا حصہ زیادہ نمایاں معلوم ہوتا ہے۔ اب جو جنگ ہو رہی تھی وہ زمینداروں اور کاشت کاروں کے درمیان نہیں تھی، جیسی کہ ۹ ویں صدی عیسوی میں ہوئی، بلکہ یہ جنگ شہروں اور فصیل بند قلعوں کے درمیان تھی۔ اسماعیلیوں کو سب سے زیادہ امداد انھیں علاقوں سے ملی جہاں تمدنی زندگی کا ارتقاء سب سے کم ہوا تھا خصوصاً خراسان کے

جنوب مشرقی علاقہ قوہستان اور قزوین کے شمال میں پہاڑی علاقوں سے ان کو بڑی تقویت پہنچی تھی۔ اسماعیلی قلعوں کی قریباً دو تہائی تعداد صرف قوہستان میں تھی۔ اسی پہاڑی علاقہ میں ان کے پیشوا کا صدر مقام الموت واقع تھا۔ اس جنگ نے فارس اور اصفہان کے مضافاتی علاقوں میں استثنائی طور پر نہایت وحشیانہ رنگ اختیار کیا۔ اس لئے کہ ان مقاموں پر اسلامی حکومت کے زمانہ میں بہت سے قلعوں کے پہلو بہ پہلو کئی نئے شہر آباد ہو گئے تھے۔ اسماعیلی اپنے دشمنوں سے نہ صرف کھلے میدان میں جنگ کرتے تھے بلکہ بہت سے پوشیدہ طریقوں سے بھی انھیں موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ اس فرقہ کے پیشوا کے ماتحت فدائیوں کی ایک زبردست تنظیم موجود تھی۔ ان کا امام فدائیوں کو ان لوگوں کے قتل کرنے پر مقرر کر دیتا تھا جو پہلے سے نشان زد کر دیئے جاتے تھے۔ امام کو پورا یقین رہتا تھا کہ جو خطرناک کام فدائیوں کے تفویض کیا گیا ہے وہ ضرور انجام پا جائے گا۔ اس فرقے کے افراد کا جنون حشیش کے استعمال سے برانگیختہ کیا جاتا تھا۔ یورپی زبانوں میں (Assassain) کا لفظ حشیشین ہی سے ماخوذ بتایا جاتا ہے۔ اس مفروضے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں اہل یورپ کو اسماعیلیوں کے نظام نے کتنا مرعوب کر رکھا تھا۔

بہر طور اسماعیلی قلعوں میں نہ صرف پوشیدہ طور پر لوگوں کے قتل کا انتظام کیا جاتا تھا بلکہ اس کے ساتھ ہی کچھ تمدنی کام بھی انجام پا جاتے تھے۔ الموت کا کتب خانہ اور وہاں کی رصدگاہ کی بڑی شہرت تھی۔ انھیں قلعوں سے بہت سے ایسے عالم ظاہر ہوئے جنھوں نے بعد کو ایران پر منگولی حکومت کے زمانہ میں اہم خدمات انجام دیں، مثلاً ایک نصیر الدین طوسی ہے؛ اس نے فلسفہ، ہئیت، ریاضی اور شیعی دینیات پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں، یا مثلاً ہمدان کے طبیبوں کا یہودی خاندان ہے۔ مشہور مورخ رشید الدین بھی ہمدان کا رہنے والا تھا۔

ہرچند کہ اسماعیلی کسی مسلسل و مربوط علاقہ پر قبضہ نہ کر سکے بایں ہمہ ان کی سیاسی اہمیت ناقابل انکار تھی۔ پہلے پہلے تو اسماعیلیوں اور مصری خلفاء میں اتحاد و اتفاق رہا، اس لئے کہ اسماعیلی دعائیہ انہی کے نام پر ہوتا تھا۔ لیکن گیارھویں صدی عیسوی کے آخر میں اسماعیلیوں نے مصر کے فاطمیوں سے اپنا رشتہ توڑ دیا۔ تقریباً ایک صدی بعد ان ملحدوں اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے پیشوا خلفا بغداد میں مفاہمہ کی سی صورت پیدا ہو گئی۔ اس لئے کہ سلطنت کی مخالفت میں یہ دونوں مشترک تھے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں یعنی تاتاریوں کے حملے سے کچھ ہی مدت پہلے رئے، اصفہان

Marfat.com

اور اس کے گرد و نواح میں جو خانہ جنگیاں ہوئیں ان میں
اسماعیلی دعائیہ بھی اثر انداز ہوا یا نہیں، اس کے متعلق ہم
یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ صرف شیعی و سنی ہی آپس میں
دست و گریبان نہیں تھے، بلکہ سنیوں کے دو فرقوں حنفیوں
اور شافعیوں میں بھی خانہ جنگی برپا تھی۔ زرعی آبادی کا بیشتر حصہ
شیعوں کا طرف دار تھا، اور شہری باشندوں کا بیشتر حصہ
حنفیوں پر مشتمل تھا۔ البتہ شافعیوں کی آبادی سب سے کم تھی،
آبادی کے اس تناسب کے باوجود رُے میں شافعیہ اپنے
تمام مخالفوں پر غالب آگئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے پردے میں جو جنگ
جاری تھی وہ دراصل شہر اور گاؤں یا امراء کے طبقے اور
جمہوریت پسند گروہوں میں تھی۔

اس قسم کے سوالوں سے متعلق فی الوقت ہمارے پاس
زیادہ مواد موجود نہیں ہے۔ انھیں قلیل معلومات کی بنا پر
جو کچھ اندازہ قائم ہو سکتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس
عہد کے عامۃ الناس اور ان کے مہذب راہ نما دولت و
سیاسی یا قومی مقاصد سے بالکل بے پرواہ ہو گئے
طبقہ واری یا فرقہ واری کشمکش سے قطع نظر اس عہد کے لوگ
رجحان مخصوص شہروں یا مخصوص علاقوں کو مرفہ الحال

طرف تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں خاص خاص شہروں یا مخصوص علاقوں کی تاریخوں کی تعداد برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ تمام مسلمانوں کے لئے ایک ہی مملکت بنانے کا خیال تو ایک طرف رہا صرف کل ایرانی علاقوں کو بھی ایک مملکت کے ماتحت کرنے کا خیال بھی باقی نہیں رہا بلکہ اس کی بجائے کم و بیش منطقہ واریت کا خیال قائم ہو گیا۔ خصوصاً سلجوقی سلطنت کے زوال کے بعد یہ رجحان زیادہ نمایاں ہو گیا۔ اب اس تصور کو بطور ایک ناقابل انکار اصول کے تسلیم کر لیا گیا کہ ہر علاقہ کی مرفہ الحالی کا انحصار اس واقعہ پر ہے کہ وہاں کے باشندوں سے جو مال گزاری وصول کی جائے وہ کسی صورت باہر خرچ نہ ہو۔ بالفاظ دیگر اب مختلف علاقوں کے مجموعہ کو ایک ہی حکومت کے زیر تسلط متحد و مربوط کرنے کی مخالفت کا رجحان پیدا ہو گیا تھا۔ فوجی نقطۂ نظر سے بھی چھوٹی چھوٹی خود مختار وحدتوں کے مقابلے میں بڑی بڑی مرکب سلطنتوں کے فائدوں کو کم کر کے دکھایا جاتا تھا۔ تیرھویں صدی عیسوی کے شروع میں، والیٔ خوارزم سلطان محمد خوارزم شاہ پورے ایران اور وسط ایشیا کے کچھ حصے کو اپنی زیر سیادت متحد کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس پر مورخ ابن اثیر کا تبصرہ یہ ہے: اسی الحاق و انضمام کی وجہ سے تاتاریوں کو اپنی فتوحات میں آسانیاں پیدا ہوئیں۔ پہلے کی طرح اگر بہت سے بادشاہ

Marfat.com

رہتے تو تاتاریوں کو ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ لڑکر فتح پانا پڑتا خوارزم فتح کی وجہ سے جب تاتاریوں نے خوارزمیوں کو شکست دے دی تو پھر تاتاری سیلاب کو روکنے والا کوئی نہ رہا۔

مقامی اختصاصیت قوی ہونے کے باوجود شہری زندگی کی ترقی اندرون و بیرون ملک بری و بحری تجارت پر اثر ڈالے بغیر نہ رہ سکی۔ ہندوستان و چین کے درمیان جو بحری تجارت ہوتی تھی اس سے ہرمز اور جزیرۂ قیس کے باشندے بہت مرفہ الحال بن گئے۔ یہ مقامات وہاں واقع تھے جہاں خلیج فارس بحیرۂ ہند سے ملتا ہے۔ دسویں صدی عیسوی میں خوارزم اور دریائے والگا کی وادی میں قافلوں کے ذریعہ تجارت کی گرم بازاری تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ والگا کی وادی کے تمام باشندے مسلمان ہو گئے۔ گو ظاہر ہے کہ بعد کو تجارتی تعلقات زیادہ اہم نہیں رہے۔ دسویں صدی عیسوی میں بلغاری یعنی وادئی والگا اور اس کے آس پاس کے ملکوں سے پوستینیں، شہد، موم اور غلام دساور بھیجے جاتے تھے۔ دریائے والگا کے کنارے بلغر نامی جو شہر آباد تھا وہ اس زمانہ میں ایک غیر اہم شہر تھا، جس میں سرکنڈوں کے بنے ہوئے جھونپڑے اور نمدہ کی جھول داریاں تھیں۔ لیکن منگولوں کے حملہ کے وقت یہ ایک سنگ بستہ شہر بن گیا تھا۔

Marfat.com

اُس کی آبادی پچاس ہزار سے کم نہیں تھی اور بعض مخصوص صنعتیں بھی جاری تھیں جیسے چمڑے کی صنعت جس کو بعد میں روسیوں نے بطور ورثہ پایا۔ "بلغاری جوتے" دساور بھیجے جاتے تھے اور ترکستان میں عام طور پر مشہور تھے۔ عرب یا ایرانی تاجر روس سے جو تجارت کرتے تھے وہ بلغروں کی معرفت ہوتی تھی کیونکہ، جہاں تک ہمیں علم ہے، عربوں یا ایرانیوں کا روسیوں سے کبھی راست تعلق پیدا نہیں ہوا۔ دسویں صدی عیسوی ہی میں روسی قزاق اسلامی علاقوں پر بے پناہ چھاپے مارنے لگے۔ چنانچہ ان قزاقوں نے دریائے کُر کی وادی میں شہر بردہ کو تباہ کر دیا تھا، جو اس زمانہ میں آبادی کے اعتبار سے قفقاز کا سب سے بڑا شہر تھا۔ بعد کو تجارتی اغراض کے لئے روسی بھی بلغروں کے قدم بہ قدم بحیرۂ خزر تک سفر کرنے لگے تھے بلکہ بعض تاجر خوارزم کے دارالسلطنت تک بھی پہنچتے تھے۔ زرعی پیداواروں میں روسی سَن مشرق میں ایک معروف شئے تھی۔ دسویں صدی عیسوی میں انہیں تجارتی تعلقات کی وجہ سے اسلامی فوجوں کی مدد کے بغیر مشرقی علاقوں میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔ چنانچہ نہ صرف خانہ بدوش ترکوں نے اسلام قبول کیا بلکہ بعض ان علاقوں میں بھی اس کی اشاعت ہوئی جو اب چینی ترکستان کہلاتا ہے۔ اس طرح جن ترکوں نے دسویں صدی عیسوی کے اختتام پر اسلامی علاقوں پر حملہ کیا تھا وہ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ بعد کی صدیوں میں

Marfat.com

مسلمان تاجر مشرق کی طرف اور آگے تک پہنچ گئے۔ تیرھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں منگولیا اور چین کی تجارت انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ حتیٰ کہ چنگیز خاں کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہونے سے قبل اُس کے فوجی صدر مقام میں مسلمان بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ لیکن یہاں مسلمانوں کی تجارتی کامیابیوں کے ساتھ مذہبی تبلیغ کا وہ جوش موجود نہیں تھا جو ترکستان اور دریائے والگا کے کنارے تھا۔ چینی زبان میں مانوی اور مسیحی مذہب کے متعلق آٹھویں صدی عیسوی ہی میں کافی ادب موجود تھا۔ لیکن اسلامی ادب اس زبان میں کہیں سترھویں صدی عیسوی میں جاکر پیدا ہوا۔ گو خود آٹھویں صدی عیسوی ہی میں چین میں مانی یا مسیح کے ماننے والوں کی تعداد اتنی نہیں تھی جتنی کہ مسلمانوں کی تھی۔ منگولیا میں بعد کو بھی زیادہ لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر لوگ مانی (آٹھویں صدی عیسوی میں) اور مسیح (گیارھویں صدی عیسوی) کو ماننے لگے تھے۔ ترکوں اور منگولوں میں ایرانی مسلمان تجارت و تہذیب کے سردار و راہ نما مانے جاتے تھے۔ کسی زمانے میں ترکوں نے ایک ہندوستانی اصطلاح "سُرت" یا "سرتاک" یا "سرتول" اختیار کی تھی۔ اس کے معنی تاجر کے ہیں۔ بعد میں ترکوں اور منگولوں نے اس اصطلاح

Marfat.com

استعمال ان ایرانیوں کے لئے کرنا شروع کر دیا جو خانہ بدوش نہیں بلکہ متمدن تھے۔ بعد کے زمانہ میں منگولوں کی قومی داستان نے مقبول عام ہیرو "سرتک تائی" پیدا کیا، جس نے گھاٹ تعمیر کئے اور نہریں کھدائیں (تائی لاحقہ ہے جو عام ناموں کے آخر میں تذکیر ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے)۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ غیر اسلامی ملکوں سے تجارت کی بنیاد بلا کسی استثناء اصلی زر نقد کی بنیاد پر قائم تھی۔ گیارھویں صدی عیسوی کی ابتداء میں جنوبی روس کی تجارت کا لین دین چاندی میں ہوتا تھا۔ اور روس میں اسلامی ملکوں سے چاندی کے سکے بڑی مقدار میں آتے تھے۔ مسلمانوں کو چاندی کے سکہ کا رواج ساسانی سلطنت کے مشرقی علاقوں سے وراثت میں ملا تھا۔ لیکن بعد میں چاندی کے سکوں کے زری نظام کی جگہ سونے کے سکوں نے لے لی۔ گیارھویں صدی عیسوی کے آخر میں اسلامی دنیا میں چاندی میں ایک نازک وقت آیا اور اس کا اثر مشرق سے مغرب تک پھیل گیا۔ چاندی کے درہموں کی بجائے تانبے کے درہم مضروب ہونے لگے۔ یہ ایک قسم کا زر قانونی تھا جو صرف اس علاقہ میں چل سکتا تھا جہاں وہ مضروب ہوا تھا۔ ایشیا کے مغربی حصوں میں، جن میں وہ علاقے بھی شامل تھے جو راست خلفاء بغداد کے زیر حکومت تھے،

Marfat.com

چاندی کے سکے گیارھویں صدی عیسوی ہی میں مضروب ہونے لگے تھے۔ جب منگولوں کی فتوحات کا دائرہ مشرقی ایشیا تک وسیع ہوا تو اس وقت ان علاقوں میں تانبے کا سکہ رائج تھا۔ ہمارے پاس جو تاریخی شہادتیں موجود ہیں ان میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ زرعی نظام کی گڑبڑ نے لوگوں کی معاشی زندگی خصوصاً تجارت پر کیا اثر ڈالا ہے۔

Marfat.com

پانچواں باب

منگولی فتوحات اور ایرانی تہذیب پر اس کا اثر

چنگیز خاں کے ابتدائی مشیر زیادہ تر مسلمان تاجر تھے اور انھیں نے اسلامی دنیا کے خلاف تاتاری مہموں میں عملی مدد کی تھی۔ چنگیز خاں کی یہ مخالفت سلطان محمد خوارزم شاہ کی کارستانیوں کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ ہوا یہ کہ آخر الذکر کے ایک عامل نے اُرتار (واقع ترکستان) کے سرحدی شہر میں منگولیا سے آنے والے ایک کارواں کو لوٹ لیا اور کارواں کے ساتھ جو ساڑھے چار سو مسلمان تاجر آرہے تھے ان سب کو تہ تیغ کردیا۔ یہ ۱۲۱۸ء کا واقعہ ہے۔ منگولوں نے ترکستان اور خوارزم تو ۱۲۲۱ - ۱۲۲۲ عیسوی میں فتح کرلیا لیکن مغربی ایشیا میں انھیں متعدد مرتبہ فوجی مہمیں سر کرنی پڑیں اور ۱۲۵۸ عیسوی تک وہ بغداد فتح نہ کرسکے۔ اس کے بعد منگولی سلطنت وجود میں آئی اس میں

Marfat.com

علاوہ ایران کے الجزیرہ اور ایشیائے کوچک بھی شامل تھے۔ ترکستان چنگیزیوں کی ایک دوسری شاخ کے زیرنگیں تھا۔ منگولوں نے سلطان اور خلیفہ کی قوت توڑنے کے ساتھ ساتھ اسماعیلیوں کے فصیل بند قلعے بھی منہدم کردیئے اور نئے قلعے بنانے کی اجازت نہیں دی۔ جنوبی ایران میں مقامی حکمران بغیر لڑے بھڑے منگولوں کے مطیع ہو گئے اور چودھویں صدی عیسوی میں جاکر کہیں ان کے اختیارات سلب کرلئے گئے۔ فارس اور کرمان کو منگولوں نے تباہ نہیں کیا اس لئے یہاں کے بڑے بڑے شہروں خصوصاً شیراز میں حالات حسب سابق برقرار رہے۔ اسی طرح پیش نظر دور میں فارس کو ایرانی تہذیب میں وہ اہمیت حاصل ہونی شروع ہوئی جو اس سے پہلے کبھی اس کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ سلغریوں اور مظفریوں کے شاہی خاندان فارسی شاعری کے بڑے سرپرست تھے۔ سلغری منگولی فتح کے بعد بھی بچ گئے تھے اور مظفری منگولی فتح کے زوال کے نصف صدی بعد گزرے ہیں۔ سلغریوں کے ساتھ سعدی (تیرھویں صدی عیسوی) اور مظفریوں کے ساتھ حافظ (چودھویں صدی عیسوی) کا نام وابستہ ہے۔ ان شاعروں کا کلام خصوصاً حافظ کی غزلیں بعد کے دوروں میں بھی ان تمام ملکوں میں پڑھی اور [illegible] رہی ہیں جہاں اسلامی تہذیب پہنچ چکی تھی۔ بلکہ آج تک

پھولوں کی خوشبو میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ شیراز نے اسلامی دنیا کے بہت بڑے ہیئت داں قطب الدین (متوفی ۱۳۱۰ عیسوی) اور قوام الدین (متوفی ۱۲۳۹ عیسوی) جیسا عظیم المرتبت تعمیر کار پیدا کیا۔ قطب الدین نے علم ہیئت میں تحقیقات کرنے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کرنے کی کوشش کی اور قوام الدین نے مشہد میں مسجد گوہر شاد تعمیر کی۔ اس مسجد کے متعلق بعض مورخوں کا خیال ہے کہ ایرانی فن تعمیر کی یادگاروں میں یہ مسجد تمام عمارتوں پر گوئے سبقت لے گئی ہے۔

بہرطور یہ خیال کرنا سخت غلطی ہوگی کہ تمدنی و تہذیبی کوشش صرف انہی علاقوں میں جاری رہی جو منگولی فوجوں کی تاخت و تاراج سے بچ رہے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ایک مہذب ملک پر قبضہ کیا تھا جو ابھی تک انسانی قربانی پر اعتقاد رکھتی تھی۔ جب کسی شہر پر قبضہ کیا جاتا تو سوائے کاریگروں کے تمام شہری آبادی بلا استثناء تہ تیغ کردی جاتی تھی۔ کاریگروں کو اس لئے باقی رکھا جاتا تھا کہ فاتحوں کو ان کی ضرورت تھی۔ جو لوگ اس خوفناک تباہی سے بچ جاتے تھے ان کا یہ خیال کرنا ایک قدرتی بات تھی کہ کم از کم ایک ہزار سال تک ملک کا دوبارہ ابھرنا ناممکن ہے۔ اس عہد کے مورخوں کی روایتوں سے متاثر ہوکر یورپی علما بھی یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ ایشیا اور

Marfat.com

مشرقی یورپ کی تہذیب پر منگولوں نے اس سے زیادہ مہلک ضرب لگائی تھی جیسی کہ مثلاً قوموں کی اس عظیم الشان توطن پذیری نے جنوبی یورپ کی تہذیب پر لگائی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ مان بھی لیا جائے کہ فاتحوں نے مفتوحہ ملکوں ہی میں توطن اختیار نہیں کیا تب بھی منگولی حملہ کے نتائج اتنے خطرناک نہیں رہے جتنے کہ عام طور پر فرض کئے جاتے ہیں۔ منگولوں کی ایک فوج ہوتی تھی، جس کے سپاہیوں کی تعداد کبھی بے انتہا نہیں ہوئی، اور اس فوج کے علاوہ ان کے ساتھ نہایت تہذیب یافتہ، اور علم و فضل سے آراستہ مشیروں کی جماعت ضرور ہوتی تھی، اور یہی مشیر تھے جن کی مدد سے انھوں نے مفتوحہ علاقوں میں زہ باقاعدہ منظم شہری اور فوجی حکومت قائم کی جس کی داغ بیل پہلے ہی سے چنگیز خان کے زمانے میں پڑ چکی تھی۔ منگولوں نے جن ملکوں کو فتح کیا یعنی چین، اسلامی دنیا اور روس۔ وہاں تیرھویں صدی عیسوی کے بعد سیاسی استقلال پہلے سے زیادہ پائدار نظر آتا ہے۔ بلا شبہ خان مقامی ادب سے بے اعتنائی برتتے تھے اور مسلمان ہونے سے پہلے اسلامی دینیات سے بھی۔ ان کو قدرتاً کوئی لگاؤ نہیں تھا لیکن خود اپنے مادی فوائد کے مدنظر انھوں نے نہ صرف تمدنی زندگی کو ازسرِ نو تشکیل دینے میں مدد دی بلکہ

Marfat.com

صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے علاوہ ان علوم کی سرپرستی بھی کی جن کو وہ عملی حیثیت سے مفید خیال کرتے تھے۔ ان علوم میں طب اور ریاضی بھی شامل تھے۔ کیونکہ ریاضی کی وجہ سے ٹھیک ٹھیک حساب کتاب رکھنے میں مدد ملتی تھی اور نجوم پر اعتقاد رکھنے کی وجہ سے ان کو ہیئت سے بھی دلچسپی تھی۔ چنگیز خاں کے پوتے اور فاتح ایران ہلاکو نے نصیر الدین طوسی کے لئے شہر مرج واقع آذر بائیجان میں ایک رصدگاہ تعمیر کرائی جس میں اس وقت کے بہترین آلات جمع کئے گئے تھے۔ منگولوں کی وحشت و بربریت کے باوجود ان کے زمانۂ حکومت میں نہ تو زری نظام کی بجائے اشیاء کا تبادلہ ہونے لگا جیسا کہ یورپ میں جرمن فتوحات کی وجہ سے ہوا تھا اور نہ شہری زندگی کی بجائے پھر سے خانہ بدوشانہ طرز زندگی پیدا ہوئی۔ باج جنس کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔ زیادہ تر تو روئی اور کپڑے کی صورت میں لیکن یہ صورت حال چنگیز خاں کی موت کے صرف چند سال بعد تک ہی رہی۔

اس کے پوتے زری نظام سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ سونے کے زری نظام کی بجائے چاندی کے سکوں کا دوبارہ رواج ہوا لیکن چاندی کی قدر مقرر کر دی گئی تھی۔ اور رفتہ رفتہ تانبے کے درہموں کا مسکوک ہونا بند ہو گیا۔ نہ صرف برباد شدہ شہر

Marfat.com

دوبارہ تعمیر کئے گئے بلکہ جدید شہر بھی بسائے گئے۔ جیسے مثلاً تبریز اور طہران کے درمیان سلطانیہ کا شہر بسایا گیا۔ منگولوں ہی کے زمانہ میں آذربائیجان کا دارالسلطنت تبریز ایک بہت بڑا شہر بن گیا، جہاں کے باشندے متمول اور خوش حال تھے حتیٰ کہ ایران کے تمام پرانے شہروں کے مقابلے میں اس کا شمار درجۂ اول کے شہروں میں ہونے لگا۔ چودھویں صدی عیسوی میں خانوں کے زیر سرپرستی شاندار عمارتیں تیار ہوئیں۔ اس سے ایرانی فن تعمیر کی مزید ترقی کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ سلطانیہ میں الجائتو (۱۳۰۴ تا ۱۳۱۶ء) کی مسجدیں اور طہران کے مشرق میں بمقام ورامین اس کے بیٹے ابوسعید کی مسجدیں اس پر شاہد ہیں۔

منگولی سلطنت میں مشرق قریب اور مشرق بعید کے مہذب ممالک ایک ہی قوم اور ایک ہی خاندان کے زیر سیادت متحد ہو گئے تھے۔ اس چیز کا تجارت اور تہذیبی قدروں کے تبادلہ میں ممد و معاون ہونا ناگزیر تھا۔ مغربی ایشیا اور چین میں کاروانی تجارت کو اس درجہ ترقی ہوئی کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہیں ہوئی۔ ان کاروانی رستوں سے یورپی تاجر بھی فائدہ اٹھاتے تھے جن میں اہل وینس کے پولو سب سے پیش پیش تھے۔ سلطنت کے بہت سے ٹکڑے ہو جانے کے بعد بھی ایران اور چین کی منگولی سلطنتوں میں جہاں چنگیز خاندان کی [illegible]

Marfat.com

شاخ کے حکمران حکومت کرتے تھے، انتہائی قریبی تعلقات قائم رہے۔ علاوہ ازیں منگولی حکمرانوں کی وجہ سے اہل ایران اور اہل یورپ میں قریبی تعلقات قائم کرنے میں بڑی مدد ملی کیونکہ مصر کے مسلمانوں سے دشمنی رکھنے میں دونوں مشترک تھے۔ چنانچہ انہیں تعلقات کی بنا پر یورپی تاجروں اور مغلوں نے نہ صرف وسط ایشیا کے کاروانی رستوں سے بلکہ ہندوستان و چین میں سفر کرنے کے لئے ایرانی بندرگاہوں سے ہوتے ہوئے بحری رستوں سے بھی فائدہ اٹھایا۔ اس واقعہ کی توجیہہ مصری حکمرانوں سے اہل ایران و اہل یورپ کی اسی مشترکہ دشمنی سے ہوتی ہے جس کا ذکر ہوا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں اہل یورپ کی ترقی انہیں تجارتی تعلقات کی رہین منت ہے، اگو میدان تہذیب و تمدن میں اس وقت بھی اسلامی دنیا خصوصاً ایرانی مسلمانوں کو تفوق حاصل تھا۔ اپنی طویل تاریخ میں اگر ایرانیوں نے کبھی دنیا کی تہذیبی قیادت کی ہے تو وہ یہی زمانہ ہے جبکہ ان کے ملک پر منگولوں کی حکومت تھی۔ لیکن بہت سے عالم آج تک یہی خیال کرتے رہتے ہیں کہ یہ دور وحشیوں کے ہاتھوں تہذیب و تمدن کی بربادی کا زمانہ ہے۔

اس زمانے کے یورپی سیاح اپنے مسلمان پیشروؤں اور ہم عصر مسلمانوں کی معلومات کے اتنے ہی دست نگر تھے جتنا کہ

Marfat.com

آج کل مسلمان اہل یورپ کے دست نگر ہیں۔ مارکوپولو ان ملکوں کے حالات بیان کرتے ہوئے جن کی اس نے بنفسِ خود سیاحت کی تھی، بہت سے جغرافیائی ناموں کو فارسی شکل ہی میں استعمال کرتا ہے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں چینی ہیئت داں ایران میں نظر آنے لگے تھے لیکن خود چین میں ایرانی ہیئت دانوں کی کتابیں بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھیں جہاں مقامی طور پر ہیئت کا مطالعہ پورے کا پورا ایرانیوں کے زیر اثر تھا۔ یہ اثر چودھویں صدی عیسوی میں منگولوں کا تسلط ختم ہو جانے کے بعد بھی باقی رہا بلکہ سترھویں صدی عیسوی میں اُس وقت تک جاری رہا جبکہ مغربی یورپ کے یسوعی فرقہ کے پادریوں نے اس کو زائل نہیں کیا۔ چودھویں صدی عیسوی تک بھی بازنطیہ میں فارسی زبان میں لکھے ہوئے ہیئت کے رسالے یونانی زبان میں ترجمہ کئے جاتے تھے۔ ایران کے ایک منگولی حکمران کی سرپرستی میں ایک زبردست تالیف کی تجویز ہوئی۔ اور ایک حد تک یہ تجویز عمل میں بھی آئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ چینیوں سے لے کر فرنگیوں (یا مغربی یورپ) تک ان تمام قوموں کی کل تاریخی روایتوں کو جو منگولی سلطنت کا حصہ تھیں یا منگولوں سے تعلق رکھتی تھیں ایک ہی کتاب میں بطور مجموعۂ قوانین جمع کیا جائے۔ اس کام کی تکمیل ایک یہودی نومسلم رشید الدین کے تفویض ہوئی۔ اس کے

Marfat.com

رفقاء میں منگولی روایتوں کا ایک ناقد، دو چینی عالم کا شغر کا ایک بدھ مت بھکشو، چند ایرانی عالم اور غالباً ایک فرنگی راہب شامل تھے۔ رشید الدین نے قصداً اس بات کی کوشش کی ہے کہ ہر قوم کی تاریخی روایتوں کو اسی شکل میں پیش کیا جائے جس میں مختلف قوموں کے نمائندوں نے اس کو پیش کیا تھا اسی لئے اس نے فراہم شدہ مواد میں اپنی طرف سے نہ کچھ اضافہ کیا اور نہ ان روایتوں کی صحت و عدم صحت کو جانچنے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے رشید الدین کی کتاب موجودہ معنوں میں کوئی تحقیقی تاریخی کتاب نہیں ہے۔ لیکن طریق کار کی جامعیت کی بنا پر اس کو دنیا کے ادب میں ایک بالکل استثنائی درجہ حاصل ہے۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد آج تک ایسی کوشش نہیں کی گئی کہ ایک کتاب میں قدیم دنیا کی تمام مہذب قوموں کے نمائندوں کی مدد سے عمومی تاریخ کی روایتوں کو جمع کیا جائے۔ انیسویں صدی عیسوی میں بھی یورپی علماء تاریخ کے صرف اس حصے کو عمومی تاریخ کہتے تھے جس میں مغربی یورپ سے بحث کی جاتی تھی۔ جیسا کہ رشید الدین کے ایک مسلمان رفیق کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ چودھویں صدی عیسوی کی ابتداء میں بھی ایران میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ عمومی تاریخ ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اور عربی و ایرانی تاریخ کی حیثیت اس سمندر میں گرنے والے

Marfat.com

محض ایک دریا کی سی ہے۔

اگرچہ دوسرے ملکوں پر علوم وفنون اور ادب کے سلسلے میں ایرانی اثرات صرف ایران کی سیاسی سرحدوں ہی تک محدود نہیں تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بڑی حد تک واقعہ ایسا ہی تھا۔ دریائے والگا اور آمو دریا کے کنارے بسنے والوں میں مدت دراز سے قریبی تعلقات موجود تھے اور جیسا کہ ہم پڑھ چکے ہیں انہیں تعلقات کی وجہ سے وادئ والگا کے بلغروں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن یہ واقعہ صرف منگولوں کے زمانہ میں چنگیز خان کے بڑے بیٹے جوجی کے جانشینوں کے عہد میں پیش آیا کہ یہ دونوں علاقے ایک ہی سلطنت کا جزو بن گئے۔ اس واقعہ کا اثر والگا کے بلغروں کے قدیم پائے تخت "بڑے بلگر" اور منگولوں کے بنائے ہوئے جدید پائے تخت سرائے اور دونوں کی زندگی پر پڑنا ناگزیر تھا۔ حال ہی میں ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ "طلائی گروہ" میں ترکی زبان میں شعری ادب موجود تھا، یہ ادب فارسی کے زیر اثر ترقی پایا تھا۔

ترکستان کے ترک قبیلوں میں اسلام کی اشاعت دسویں صدی عیسوی ہی میں شروع ہو چکی تھی جو سال بعد کاشغر کے ایک خان کے لئے ترکی میں پہلی اسلامی کتاب

Marfat.com

یہ ایک اخلاقی نظم تھی جس میں حکمرانوں، وزیروں اور امیروں وغیرہ کے فرائض نظم کئے گئے تھے۔ نہ صرف قدیم زمانہ بلکہ قرون وسطیٰ میں بھی اس طرح کا ادب تمام قوموں میں بہت مقبول تھا۔ ان کتابوں کی عام صورت یہ ہوتی تھی کہ ان میں باپ اپنے بیٹے کے لئے ہدایتیں لکھ دیتا تھا۔ گیارھویں صدی عیسوی کے فارسی ادب میں قابوس نامہ اس قسم کی کتاب ہے جس میں بحیرۂ خزر کے ایک حکمران نے اپنے بیٹے کو بہت سی اخلاقی نصیحتیں کی ہیں۔ یہ کتاب بہت مشہور رہی اور بعد میں ترکی زبان میں بھی منتقل کی گئی۔ ایران اور دوسرے ملکوں میں جہاں کا ادبی ارتقا کم وبیش بیرونی امداد کے بغیر ہوا تھا، اس قسم کی کتابیں زمانۂ حال کے قاریوں کے لئے بھی اہمیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ ان میں نصیحتوں کے ساتھ ساتھ بطور وضاحت تاریخی واقعات اور حکایتیں وغیرہ نقل کی جاتی ہیں۔ یا ایسی مثالیں دی جاتی ہیں جو روزمرہ زندگی میں پیش آتی رہتی تھیں۔ ترکی کتابوں میں ہم کو اس قسم کی دلچسپی نہیں ہوتی، کیونکہ ان میں سوائے روکھی پھیکی نصیحتوں کے اور کچھ نہیں ہوتا اور نہ ان میں ہم عصر زندگی کے واقعات کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ ان کتابوں میں انصاف کو حکمران اور مسرت کو وزیر وغیرہ بنا کر پر آورد تمثیلوں کے پیرائے میں بد مذاقی سے پیش کیا جاتا ہے۔ ان کو دیکھنے سے ایک یورپی قاری کو پندرھویں صدی عیسوی کے آخر میں لکھی ہوئی

Marfat.com

جرمن کتاب (Thenderdank) کا خیال آتا ہے
اسلام لانے سے قبل بھی ترکی قوموں میں تحریری ادب موجود تھا
لیکن نئے مذہب اور فارسی ادب کا اثر اس قدر قوی تھا کہ
اسلام اختیار کرنے کے بعد ترکوں نے گویا اپنے زمانۂ قبل اسلام کی
یاد بھی بھلا دی۔

گیارھویں صدی عیسوی کی یہ نظم باوجود دعامیوں کے کچھ نہ کچھ
مقبول ضرور ہوئی۔ اس نظم کے چند اشعار چودھویں صدی عیسوی
کے ایک گل دان (جو دریائے اورال کے دہانہ کے قریب بمقام
Saraitchik دریافت ہوا تھا) پر لکھی ہوئی ملی
ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس شاعر کی تقلید نہیں کی گئی۔
بارھویں صدی عیسوی کے بعد سے ترکوں میں مذہبی احساس
قوی کرنے اور ان کو مذہبی فرائض کا پابند کرنے کے لئے اسلامی
مبلغوں نے ترکی میں بھی مذہبی کتابیں لکھنی شروع کیں۔ یہ کتابیں
علم و ہنر دونوں میں ہوتی تھیں۔ اس قسم کی کتابوں میں احمد یسوی
کی ایک مثنوی بھی شامل ہے۔ عام ترکی شاعروں کے لئے
یہ مثنوی آج بھی نمونہ کا کام دیتی ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ ابھی کچھ
زمانہ تک فارسی شاعری ہی سے لطف اندوز ہوتا رہا اسلئے کہ
فارسی کو خانوں کی سرپرستی کا بھی شرف حاصل تھا۔ بہرطور
عربی و ایرانی تہذیب کے اثرات ان ترکوں پر زیادہ

آسانی سے مرتب ہوئے جنھوں نے ایران و ایشیائے کوچک فتح کیا تھا، کیونکہ جس وقت یہ ترک اسلام سے واقف ہوئے ہیں اس وقت ان کی تہذیبی سطح ان ترکوں سے بہت پست تھی جنھوں نے ترکستان فتح کیا تھا۔ بظاہر تو یہ لوگ پہلے ہی سے کچھ نہ کچھ ادبی مذاق رکھتے تھے۔

منگولوں کی فتوحات نے خانہ بدوشوں کو اپنی روایتوں، اپنی طرز زندگی اور اپنی زبان سے بہت زیادہ اہمیت وابستہ کرنے میں بڑی تقویت پہنچائی۔ منگولی اور ترکی زبان میں بڑا فرق تھا اور ترکوں کے مقابلہ میں منگولوں کا تہذیبی معیار بھی پست تھا۔ بایں ہمہ خانہ بدوشانہ زندگی جن اصولوں پر مبنی تھی وہ ہر جگہ یکساں تھے۔ علاوہ ازیں مغرب کی طرف سے آنے والے منگولی خانہ بدوشوں کی تعداد ترکوں کی تعداد سے بہت ہی کم تھی اور ان ملکوں میں جہاں آبادی مختلف قوموں کے خانہ بدوشوں پر مشتمل تھی جیسے ترکستان اور "طلائی گروہ" وہاں منگولی فاتحوں کی اولاد نے بہت جلد اپنی زبان بھول کر ترکی زبان اختیار کرلی۔ منگولوں کے اسلام قبول کرنے کے بعد چودھویں صدی عیسوی میں اس بات کی کوشش کی گئی کہ خود منگولی زبان میں اپنا ذاتی ادب پیدا کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہندی قصوں کے ایک مجموعہ کلیلہ و دمنہ کو فارسی سے منگولی زبان میں منتقل کیا گیا۔ لیکن اب تک یہ بات

Marfat.com

معلوم نہ ہو سکی کہ آیا اس ادب نے منگولی زندگی یا ادبی زبان پر بھی کوئی اثر ڈالا تھا یا نہیں، اس دور کے منگولوں اور کلموکوں میں ایک رزمیہ قصہ بہت مقبول تھا۔ اس میں بوغا تر جو گیر د جو گیر غالباً فارسی لفظ جہاں گیر سے ماخوذ ہے) کے کارنامے بیان ہوئے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس رزمیہ داستان کی بنیاد ایران میں پڑی تو غالباً غلط نہ ہوگا۔ منگولوں کے جانشینوں نے افغانستان میں آج تک اپنی زبان محفوظ رکھی ہے لیکن اس میں کوئی ادب حتیٰ کہ عوامی ادب بھی موجود نہیں ہے۔ بہ ہیئت مجموعی معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں خاص اپنی قوم کی عظمت و نام آوری کے لئے منگولی خانوں نے جو کچھ کام انجام دیئے ان سے منگولوں کے مقاصد پورے ہونے کی بجائے درحقیقت ترکی قومیت کو فائدہ پہنچا۔ رشید الدین نے اپنی تالیف کے ایک حصہ میں چنگیز خان، اس کے آباؤ اجداد اور دوسرے منگولوں نیز ترک قبیلوں کی خانہ بدوشانہ زندگی کا جو شاندار نقشہ کھینچا ہے اس سے منگولوں نے نہیں بلکہ ترکوں نے فائدہ اٹھایا۔ رشید الدین کی کتاب کے متعلقہ حصوں کو متعدد مرتبہ ترکی زبان میں منتقل کیا گیا۔ اس قسم کا ایک ترجمہ روس میں بورس گودوناف (Boris Godunov) کے لئے بھی کیا گیا۔ رشید الدین کے زیر اثر ترکوں نے روغیزی ترکوں کی

Marfat.com

روایتوں کو خود اپنی قومی روایتیں بنا کر ادبی رنگ میں پیش کیا۔ چنانچہ ایران اور ایشیائے کوچک کے ترک فاتح اپنا سلسلۂ نسب اسی قبیلہ سے جوڑتے ہیں اور افسانوی اوغز خان کو اپنا جد اعلیٰ مانتے ہیں۔ پندرھویں صدی عیسوی کے ایشیاء کوچک کے رہنے والے ایک ترک مورخ نے ایشیائے کوچک کی ایک تاریخ لکھی ہے اس میں اوغز خان کے حالات لکھتے ہوئے اس نے ان تمام اقوال کا ترجمہ کر دیا ہے جو رشید الدین نے اپنی کتاب میں چنگیز خان سے منسوب کئے تھے، اور نہایت دلیری سے ہر جگہ چنگیز خان کی بجائے اوغز خان کا نام لکھ دیا ہے۔ جیسا کہ "اوغز نامہ" کے عنوان سے ظاہر ہے قومی روایتوں کو ادبی معیار پر لانے میں فارسی ادب کا بھی اثر رہا ہے نام اوغز نامہ ــــ ان افسانوں کو دیا گیا تھا جو دہقانی لوگ اوغزی قبیلہ کے متعلق سنایا کرتے تھے۔

چونکہ ترکوں میں اپنی تازہ قوت کا احساس بہت شدید تھا اس لئے قدرتاً ان سے یہ توقع تھی کہ وہ عربوں اور ایرانیوں کے تہذیبی کاموں کو جاری رکھیں گے اور اسلامی شائستگی میں ایک نئی زندگی پیدا کر دیں گے۔ ایشیائے کوچک اور ترکستان دونوں جگہ ترک خود اپنی ادبی زبان پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے، ان لوگوں نے بیرونی نمونوں کی

Marfat.com

تقلید ضروری تھی لیکن بیرونی محاوروں اور بیرونی طرز ادا کی غلامانہ نقل نہیں اتاری۔ ایشیائے کوچک میں ایک عرب سپہ سالار بطال کا فسانہ مشہور تھا جس نے بنو اُمیّہ کے زمانہ میں دین کیلئے لڑتے ہوئے اپنی جان دے دی تھی۔ ترکوں نے یہ افسانہ اپنے ادب میں شامل تو کر لیا تھا مگر عرب بطال کو ایک ایسے عثمانی مجاہد کا لباس پہنا کر جو اپنے نمونہ سے بہت زیادہ مختلف تھا۔ پندرھویں صدی عیسوی میں کورخوت کے متعلق ایک کتاب تالیف ہوئی۔ کورخوت دراصل اوغیزی قبیلہ کا مداح اور اس کا سردار تھا۔ غرض اس طرح دوسروں سے لی ہوئی شخصیتوں کے پورے سلسلے کو ترکوں کی قومی خصوصیات سے متصف کیا گیا۔ ایشیائے کوچک میں تیرھویں صدی عیسوی فارسی کے بہت بڑے شاعر وصوفی جلال الدین رومی کا زمانہ ہے۔ یہ مولوی درویشوں کے فرقہ کے بانی ہوئے ہیں۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ جلال الدین مسلمانوں کے سب سے بڑے صوفی ہیں۔ شروع شروع میں ان کے حلقہ کے لوگ صرف فارسی ہی میں نہیں بلکہ ترکی میں بھی اپنی کتابیں لکھتے تھے۔

درویشی مسلک اور صوفیانہ شاعری کی نشو و نما کے لئے ایران کی بہ نسبت ایشیائے کوچک کی فضا زیادہ سازگار تھی۔ یہاں صوفیانہ شاعری کا ارتقا ایک بالکل مختلف اور جداگانہ

طریقہ پر ہوا۔ اس صدی میں ترکی زبان ایشیائے کوچک میں سرکاری زبان بن گئی تھی۔ رفتہ رفتہ ایک ایسی انتہائی پُرتقد زبان وجود میں آئی جو سرکاری کارروائیوں کے علاوہ ادب کے لئے بھی موزوں تھی لیکن تقریری زبان سے مختلف ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کے لئے اس کا سمجھنا دشوار تھا۔ اس میں عربی و فارسی الفاظ کثرت سے ہوتے تھے۔ البتہ ان کی شکلیں خالص ترکی صرف و نحو کے تابع ہوتی تھیں۔ فارسی ادب کے اثرات کے علاوہ ترکوں پر ایرانی فن تعمیر کا اثر بھی معلوم ہوتا ہے۔ ایرانی طرز کی عمارتیں زیادہ تر قونیہ اور بروسیہ میں تعمیر ہوتی تھیں لیکن ان میں بھی کسی طرح ایرانی نمونوں کی غلامانہ تقلید نہیں کی جاتی تھی۔ قونیہ میں ایرانی طرز کی عمارتوں کے پہلو بہ پہلو زمانہ قبل اسلام کا مقامی طرز صاف طور پر پہچانا جا سکتا ہے۔

ایشیائے کوچک کو ایران کے ترکوں نے فتح کیا تھا گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی سے یہاں بھی اسی خاندان کی حکومت ہو گئی جو ایران پر حکومت کر رہا تھا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں ایشیائے کوچک پر ایران کے منگول خانوں کا تسلط قائم ہو گیا۔ دوسری طرف جب دسویں صدی عیسوی میں ترکستان میں سامانیوں کو زوال ہوا تو چند

Marfat.com

صدیوں تک ترکستان اور ایران کے تعلقات میں خلل پڑ گیا جیسا کہ ہم پڑھ چکے ہیں، تیرھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں خوارزم کا سلطان محمد ترکستان اور ایران کو ایک ہی حکومت کے ذریعہ متحد کر دینے میں کامیاب ہو چکا تھا لیکن اس کی حکومت اتنی قلیل المدت رہی کہ اس سے تہذیبی اور تمدنی زندگی متاثر نہ ہو سکی چنگیز خاں کے جانشینوں کے زمانہ میں ترکستان میں ایک مخصوص منگولی حکومت قائم ہو گئی جس کی وجہ سے ترکستان اور ایران کے تعلقات مخاصمانہ ہو گئے۔ بایں ہمہ اس دور میں ایرانیوں کے زیر اثر ترکستان میں بھی ترکی ادب پیدا ہوا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں ترکی دنیائے اسلام کی تیسری ادبی زبان سمجھی جاتی تھی۔ جمال قرشی کی شاعری چودھویں صدی عیسوی کے ابتدائی زمانے سے تعلق رکھتی ہے، یہ اپنے ایک پرانے ہم عصر شیخ حسام الدین کے متعلق لکھتا ہے:۔ "شیخ نے تینوں زبانوں میں بہترین شاعری کی ہے"، شیخ کی عربی شاعری میں فصاحت و بلاغت، فارسی شاعری میں بلند پروازی و نازک خیالی اور ترکی شاعری میں حقیقت و صداقت نمایاں تھی۔ اس لحاظ سے خلیفہ مامون کے زمانہ کی طرح اب بھی عربی ادب کا معیار فضیلت، فصاحت و بلاغت اور فارسی ادب کا معیار فضیلت نازک خیالی تھا۔ عربی و فارسی اثرات کی وجہ سے ترکی زبان نے فصاحت میں

Marfat.com

بلاغت کے ساتھ ساتھ نازک خیالی میں بھی ترقی کی لیکن سلاست و سادگی کی بنا پر ترکی شاعری اپنی ایک خاص دلکشی رکھتی ہے۔

چودھویں صدی عیسوی کا آخری اور پندرھویں صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ ترکستان میں نہایت شاندار رہا۔ اس سے پہلے ترکستان میں ایسی ترقی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ تیمور اور اس کے جانشینوں کے زمانہ میں ترکستان اور ایران دوبارہ ایک ہی حکومت کے تحت متحد ہو گئے۔ تیموری فوجوں کا سیلاب تو اس سے بھی بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ چنانچہ مغرب میں اس کی فوجیں بروسہ و سمرنا تک، جنوب مغرب میں دہلی تک اور شمال میں ارتاش تک پہنچ گئی تھیں۔ چنگیز خاں کے حملوں میں جتنا خون خرابہ ہوا تھا تیموری حملوں میں اس سے کچھ کم نہیں ہوا۔ چنانچہ تیموری حملوں میں انتہائی بھونڈے قسم کی سفاکی کے ساتھ ساتھ افسردہ کن بہیمیت بھی شامل تھی۔ بایں ہمہ تیمور نے جس ہیبت ناک پیمانہ پر تباہی پھیلائی تھی اسی رعب دار پیمانہ پر اس نے اپنی تخلیقی قوت سے کام لینے کی بھی کوشش کی۔ چنانچہ ایک طرف تو یہ حال تھا کہ بڑے بڑے شہروں کے ہزاروں افراد قتل کئے جا رہے ہیں، مقتولوں کی کھوپڑیوں سے بڑے بڑے مینار بن رہے ہیں، اور رلا تعداد

Marfat.com

انسانوں کو اذیتیں دی جا رہی ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ نہریں بھی بڑے زبردست پیمانہ پر نکالی جا رہی تھیں اور عظیم الشان عمارتیں تعمیر ہو رہی تھیں خصوصاً فاتح کے دارالسلطنت سمرقند میں جہاں بعض وقت فاتح تیمور اپنے تباہ کئے ہوئے ملکوں سے کاریگروں اور عالموں کو پا بجولاں بلواتا تھا۔ سمرقند کے گرد و نواح میں جو بستیاں بسائی گئیں تھیں ان کے نام بڑے بڑے اسلامی شہروں کے نام پر رکھے گئے تھے۔ مثلاً کسی گاؤں کا نام دمشق تھا، کسی کا مصر (قاہرہ) کسی کا شیراز اور کسی کا سلطانیہ وقس علیٰ ہذا۔ گویا اس طرح تیمور تمام دوسرے شہروں پر اپنے دارالسلطنت کی فوقیت جتانا چاہتا تھا! عمارتوں کا طرزِ تعمیر تو وہی ایرانی تھا لیکن تناسب کے لحاظ سے یہ عمارتیں ایرانی نمونوں سے بہت بڑی ہوئی تھیں۔ تیمور کو اپنی عمارتوں کے اس امتیازی وصف پر بڑا اصرار تھا۔ چنانچہ وہ شخصی طور پر خود بھی معماروں کو ہدایتیں دے کر انھیں اپنی فنی قوت اختراع سے حیرت میں ڈال دیتا تھا، کیونکہ اکثر و بیشتر یہ قوت اختراع اس وقت کے اصول فن سے بظاہر قابو میں نہیں آئی تھی۔ تیمور کے زمانہ کی عمارتوں کا بیشتر حصہ خراب کھنڈر ہو گیا ہے بلکہ سولھویں صدی عیسوی میں ہی یہ مرمت طلب ہو گئی تھیں۔ ان عمارتوں میں سب سے

Marfat.com

زیادہ شاندار سمرقند کی جامع مسجد تھی جو مسجد بی بی خانم کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کا یہ حال تھا کہ خود تیمور کے زمانہ میں اس کی حالت مخدوش تھی اس لئے کہ اس زمانہ میں ایک روز جمعہ کی نماز ہو رہی تھی کہ نمازیوں نے بڑے خوف سے پتھروں کے گرنے کی آواز سنی جو غالباً عمارت کے گنبد سے گر رہے تھے۔

تیمور کے جانشینوں کے زمانہ میں تخریب و تعمیر قدم بہ قدم نہ چل سکے۔ حربی منصوبے اب پوانے دہشت ناک پیمانہ پر انجام نہیں پاتے تھے بلکہ سلطنت کی سرحدیں بھی رفتہ رفتہ زیادہ محدود ہو رہی تھیں لیکن خاص خاص شہروں خصوصاً سمرقند و ہرات میں عمارتیں بنانے کا شوق برابر کارفرما معلوم ہوتا تھا۔ تیمور کے زمانے میں علماء، وشعراء اور فن کار شاہی دربار میں جبراً و قہراً آتے تھے لیکن اس کے جانشینوں کے دربار میں یہ لوگ بطیب خاطر آنے لگے تھے۔ تیمور کے پوتے الغ بیگ نے چالیس برس (۱۴۰۹ء تا ۱۴۴۹ء) حکومت کی۔ اس دور میں بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئیں جن میں بخارا اور سمرقند کے مدرسے خاص شہرت رکھتے تھے۔ بخارا کے مدرسہ پر یہ حدیث کندہ کرائی گئی تھی: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ

سمرقند کے مدرسہ میں قاضی زادہ رومی دینی علوم پر درس دیتے تھے۔ ان علوم کے علاوہ یہاں ہیئت بھی پڑھائی جاتی تھی،

رصدگاہ میں جو کام انجام پاتا تھا وہ اگرچہ مختصر تھا لیکن
اس کے شاندار ہونے میں کلام نہیں۔ الغ بیگ نے یہ
رصدگاہ ایرانی ہیئت دانوں اور ان کے شاگردوں
کے لئے بنوائی تھی۔ ان شاگردوں میں خود بادشاہ وقت
الغ بیگ بھی شامل تھا۔ زیچیں اور سیاروں کی فہرستیں
الغ بیگ ہی کے نام سے ترتیب پاکر شائع ہوئیں۔ یہ زیچیں
گویا قرون وسطیٰ کے علم ہیئت کی آخری تحقیقات ہیں۔
بہ الفاظ دیگر دوربین کی دریافت سے پہلے تک علم ہیئت
جتنی ترقی کر سکتا تھا یہ اس کی آخری حد تھی۔ "تخت شاہی پر
ایک عالم" کی حیثیت سے دنیائے اسلام کی تاریخ میں الغ بیگ
ایک لاثانی حکمران گزرا ہے۔ الغ بیگ کے ہم عصر اس کو
صرف ارسطو کے شاہی شاگرد یعنی اسکندر سے تشبیہ دے
سکتے تھے۔ الغ بیگ "انسانی ترقی بلا لحاظ مذہب و ملت"
کے خیال پر شدت سے یقین رکھتا تھا۔ زیچوں پر اس نے
جو پیش لفظ لکھا تھا اس میں ہم کو قابل توجہ لیکن اصلاً
غلط نظریہ ملتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔ علوم صحیحہ کے مطالعہ سے
ایسے نتیجے نکلتے ہیں جن میں قطعاً کوئی تغیر نہیں ہوتا، اس لئے کہ
مذہب، قومیت یا زبان کی تبدیلی سے ان پر کوئی اثر نہیں
پڑتا، جیسا کہ معلوم و معروف ہے۔

Marfat.com

قدیم عالموں کی کتابیں درحقیقت صرف تاریخی دلچسپی رکھتی ہیں لیکن قدیم ادیبوں کی تحریروں میں اب بھی تازگی باقی ہے۔ گو جس زبان میں یہ تحریریں لکھی گئی تھیں ان کو مٹے ہوئے مدت دراز گزر چکی ہے۔ اُلغ بیگ کی رائے اسلامی تہذیب کے ایسے نمایندہ کی رائے کا نمونہ ہے جو یونانی علوم پر تو پورا عبور رکھتا تھا لیکن یونانی ادب سے بے بہرہ تھا۔ اُلغ بیگ کا ایک درباری علی کوشجی جس کو اُلغ بیگ بیٹا کہہ کر پکارتا تھا اُس کا خاص شاگرد تھا لیکن سمرقند کی فضا علوم صحیحہ کی نشوونما کے لئے زیادہ سازگار نہیں تھی، اس لئے بادشاہ کے مرنے کے قریباً فوراً بعد ہی اس کی بنائی ہوئی رصدگاہ بند ہوگئی۔ سولھویں صدی عیسوی میں صرف کھدائی سے اس کے آثار دریافت ہوسکے۔ علی کوشجی پہلے ایران گیا اور پھر وہاں سے نکل کر اس نے ترکی میں سکونت اختیار کر لی جہاں اس کے چند شاگرد پیدا ہوئے۔

سلطان حسین کا دورِ حکومت ہرات کا بہترین زمانہ تصور کیا جاتا ہے (۱۴۶۹ء تا ۱۵۰۶ء) وسط ایشیا کے باشندے تو یہ سمجھتے تھے کہ تمام دنیا میں ہرات کے جیسا کوئی دوسرا شہر موجود نہیں ہے۔ یہ خیال ہرات کی تہذیبی خوبیوں پر مبنی تھا نہ کہ اس کی وسعت پر، اسلئے کہ وسعت میں تو

Marfat.com

یہ سمرقند سے بھی کم تھا سلطان حسین کا دورِ حکومت ایک "عجوبہ روزگار" معلوم ہوتا تھا، اس لئے کہ اس دور میں بلالحاظ مشرب و ملت جو شخص جس کام کو کرتا تھا اس کا قصد تھا کہ اس کام میں کمال حاصل کیجیے۔[1]

اس زمانہ میں میر علی شیر نامی ایک امیر علوم و فنون کا بڑا قدر دان گزرا ہے۔ اس کے اور اس کے آقا کے نام کے ساتھ فارسی کے آخری بڑے شاعر جامی اور مورخ میر خواند کے کارنامے وابستہ ہیں۔ میر خواند نے ایک تاریخ تالیف کی تھی جس کے متعلق اب بھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فارسی میں اس قسم کی کتابوں میں بھی سب سے زیادہ مقبول ہے۔

الغ بیگ کی سلطنت کا دائرہ اس تمام علاقہ تک وسیع تھا جس میں آج کل بخارا، کاشغر، سمرقند اور فرغانہ کی خانات اور سیر دریا کے خطوں کا ایک بہت بڑا حصہ شامل ہے۔ اور سلطان حسین کی سلطنت میں خراسان، خوارزم اور افغانستان کا ایک حصہ شامل تھا۔ لیکن ایرانی تہذیب کا اثر ان سلطنتوں کی سرحدوں سے بہت آگے تک پھیلا ہوا تھا اور ان کے مشرقی ہمسائے بہت سی عمارتیں، تیمور اور

---

[1] ترجمہ ترک بابری صفحہ ۱۸۲۔

تیموریوں کی عمارتوں کے نمونہ پر تعمیر کیا کرتے تھے۔ کلچی سے جنوب مغرب کی وہ مسجد جو غالباً چودھویں صدی عیسوی میں بنی تھی اس کو عام روایت تغلق تیمور کا مقبرہ بتاتی ہے جس کا انتقال ۱۳۶۰ عیسوی کے شروع میں ہوا تھا۔ پندرھویں صدی عیسوی کے شروع میں مشہور کاروان سرائے "تاش رباط" تعمیر ہوئی۔ یہ سرائے جنوبی حصہ میں کاشغر جانے والی ایک بڑی سڑک پر واقع تھی۔ توک ماک کے قریب جو منارہ "بوران" کے نام سے مشہور ہے اس کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے اس لئے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی دستاویز نہیں ہے جس میں اس کا ذکر کیا گیا ہو، اور نہ خود عمارت پر کوئی کتبہ ہے جس سے اس کا حال معلوم ہو سکے۔

تیمور اور اس کے جانشینوں کی مادری زبان ترکی تھی لیکن جہاں تک ان کے کاموں سے اندازہ ہو سکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ترکی قومیت کا زیادہ احساس نہیں تھا۔ بایں ہمہ ان کے ہم نسل لوگوں نے ترکی زبان و ادب کی اہمیت کو بڑھانے کے لئے ان کے دربار کی شان و شوکت سے پورا فائدہ اٹھایا۔ ترکی شاعری تقلیدی تھی لیکن ترکی شاعر یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ ان کی شاعری فارسی شاعری سے کسی طرح کم درجہ رکھتی ہے۔

Marfat.com

دوسری طرف وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ یہ احساس ہم سری ترک حکمرانوں کی قوت و شوکت کا لازمی نتیجہ تھا۔ الغ بیگ کو مخاطب کر کے شاعر سکاکی کہتا ہے ؎

سبے دور باید کہ چرخ ظفر بیارد کسے چو تو بار دگر

میر علی شیر کی شہرت و نام آوری کی وجہ سے اس کے تمام پیشرو نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ گو علی شیر کی شاعری فارسی میں ہے لیکن اس کی شہرت زیادہ تر ترکی شاعر کی حیثیت سے ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ سے توبولسک تک ترکی بولنے والی پوری دنیا اس کے کلام کا شمار ترکی کلاسک میں کرتی ہے۔ علی شیر ایک محب وطن بھی تھا اس لئے اس نے قصداً یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اس زبان فارسی سے کسی طرح کم رتبہ نہیں، اور یہ کہ شاعرانہ خیالات کے اظہار کے لئے ترکی بھی اتنی ہی موزوں ہے جتنی کہ فارسی۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر اس نے ترکی میں ان تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے جو فارسی میں مشہور اور متداول تھے۔ اس طرح ترکی زبان کا کلاسکی شاعر بھی نہ تو فارسی سے لئے ہوئے اصناف سخن ترک کر سکا اور نہ ترکوں کے قومی فسانوں کو اپنا موضوع فکر بنایا۔ بایں ہمہ اس کی شاعری محض فارسی شاعری کے گلستاں سے توڑے ہوئے پھولوں کا گلدستہ

Marfat.com

ان کی شاعری کچھ پر آوازضرور معلوم ہوتی ہے فارسی نمونوں کے مقابلے میں زیادہ سلیس زیادہ عام فہم اور حقیقت سے قریب تر ہے. علی شیر کی شاعری میں ہم کو تخلیقی توانائی کے وہ رجائی جذبات نظر آتے ہیں جو تیموریوں کے دور کا امتیازی وصف ہے. شاعر کے الفاظ میں کاہلی دبے کاری موت کے مساوی ہے. ان سب خیالات کا اطلاق سلطان بابر (۱۴۸۲ء تا ۱۵۳۰ء) کی تصنیفوں پر اور زیادہ وسیع پیمانہ پر ہوتا ہے جس کو نئے فاتحوں یعنی ازبکوں کے دباؤ کی وجہ سے ترکستان سے بھاگ کر ہندوستان میں اپنے لئے ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالنی پڑی. چند نظموں کے علاوہ بابر نے خود نوشت سوانح بھی اپنی یادگار چھوڑی ہے. سولھویں صدی عیسوی میں بھی اس کو ترکی نثر کی کلاسکی کتاب خیال کرنا درست اور بجا تھا. اسلامی ادبیات اور ایرانی تمدن کی پوری واقفیت بھی اس کو اپنی مادری زبان میں سلیس و سادا نثر لکھنے سے نہ روک سکی. چونکہ اس کے پڑھنے والے بھی ان صفات کی قدر کرتے تھے اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں صحت بخش ادبی فضا موجود تھی. سلطان حسین کا ہم عصر دولت شاہ اپنے زمانہ میں فارسی ادب کا ایک بہترین نقاد گزرا ہے. جب ہم رودکی کی سادا زبان اور بعد کے عثمانلی

Marfat.com

مصنفوں کی "قبیح ترکی" کے متعلق اس کی حقارت آمیز رائے پڑھتے ہیں تو یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ یہ قبیح ترکی وہی زبان تھی جس میں عثمانلی ترکوں کے آبا و اجداد لکھتے پڑھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ بابر نے اپنے زمانہ کے مصنفوں سے جن چیزوں کا مطالبہ کیا ہے وہ نہ صرف تیموری دور کی رائے کا نمونہ ہے۔ بابر کو اس بات پر اصرار تھا کہ مصنفوں کو اس طرح لکھنا چاہیئے کہ تعلیم یافتہ لوگ ان کی تحسین کر سکیں، ساتھ ہی غیر تعلیم یافتہ طبقے بھی ان کو سمجھ سکیں۔ ان کی نظریں مستقبل پر لگی رہیں نہ کہ ماضی پر۔ قدماء کی عقلمندی پر بے سمجھے بوجھے آنکھ بند کئے ایمان لانے کے مقابلہ میں بابر ایک سیدھا سادا اور واضح اصول پیش کرتا ہے۔ "ہاں جس سے جو عمدہ طریقہ جاری ہو وہ برتنا چاہیئے اگر باپ نے کوئی بُری رسم جاری کردی تو اس کو اچھی رسم سے کیوں نہ بدلیں۔"

چھٹا باب

پندرھویں صدی کے بعد اسلامی دنیا کی حالت

پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی اسلام کی فوجی کامیابیوں کا نہایت شاندار زمانہ ہے۔ ایک طرف تو اسلامی فوجوں نے بازنطیہ فتح کر کے ویانہ کو دھمکی دینا شروع کر دیا اور دوسری طرف عثمانلی سلطنت کے پہلو بہ پہلو دو زبردست اسلامی قوتوں کو بھی عروج ہونے لگا یعنی ایران میں خاندان صفویہ کو اور ہندوستان میں بابر کی اولاد کو جو عام طور پر شاہان مغلیہ کہلاتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ دو صدیاں پوری اسلامی دنیا کی قسمت کے لئے فیصلہ کن ثابت ہوئیں۔ پورے ایک ہزار سال سے مسلمانوں کو مغربی ایشیا کی تہذیب میں جو بلند مرتبہ حاصل تھا وہ اب ختم ہو گیا اور ترقی کی لوا برداری مغربی یورپ کے حصہ میں آئی۔ جن واقعات کا ہم نے ذکر کیا ہے ان سے ظاہر ہے کہ

Marfat.com

اس منظر کو صرف اس طرح نہیں سمجھا جا سکتا کہ ایک ہزار سال تک تہذیبی جد و جہد کرنے کے بعد مسلمانوں میں قدرتاً کمزوری پیدا ہو گئی تھی۔ یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ عرب و ایران اس وقت تک وہ سب کچھ کر چکے تھے جو وہ کر سکتے تھے اور یہ کہ ترکوں میں کسی قسم کے تخلیقی کام کی صلاحیت نہیں تھی۔ قدیم تہذیب کے زوال سے کچھ ہی پہلے رومی مصنف یہ خیال کرنے لگے تھے کہ غیر معمولی بار پڑنے کی وجہ سے دنیا از کار رفتہ ہو گئی ہے، زمین کی زرخیزی ختم ہو گئی ہے اور معدنیں خالی ہو گئیں۔ آبادی کم ہو رہی ہے، حتیٰ کہ کسی کو سپاہیوں کی کافی تعداد بھی مہیا نہیں ہو رہی ہے اور نہ کافی ملاح و کاشت کار مل رہے ہیں۔ لیکن پندرھویں صدی عیسوی کے اسلامی ادب میں ہم کو اس قسم کی شکایتیں نہیں ملتیں، اور اگر ہم اس دور کے سیاسی واقعات سے اندازہ لگائیں تو معلوم ہوگا کہ اس قسم کی شکایت کا کوئی عذر و حیلہ بھی ان کے پاس نہ تھا۔ تہذیب کو ترقی دینے اور اس کی رہبری کرنے کے لئے اسلامی دنیا میں اب بھی تازہ قوت و صلاحیت موجود تھی۔ بایں ہمہ وہ نصرانی یورپ سے مسابقت نہ کر سکی کیونکہ تیرھویں صدی عیسوی کے بعد سے یورپ میں شہری زندگی، تجارت اور صنعت و حرفت میں بہت تیزی سے ترقی ہو رہی تھی۔ بخلاف مغربی ایشیا کے

Marfat.com

جہاں کے مہذب ملکوں پر وحشیوں کے قبضہ کی وجہ سے مملکت اور مختلف طبقوں کی کشمکش نے کوئی پیچیدہ صورت اختیار کر لی تھی۔ پندرھویں صدی عیسوی میں یورپی اصول فن کو وہ فتوحات حاصل ہوئیں جن کی وجہ سے بعد میں یورپ کو تمام دنیا پر سیاسی و تمدنی اقتدار حاصل ہوا۔ مشرقِ بعید اور غالباً مشرق قریب میں بھی بارود کی صنعت ایک مدت سے معلوم و معروف تھی اور شاید جنگوں میں استعمال بھی ہوتی تھی۔ لیکن آتشیں اسلحہ صرف یورپ ہی میں ایجاد ہوئے۔ یورپی صناعوں کے ذریعہ ان کے مسلمان ہمسائے بھی بہت جلد اس ایجاد سے واقف ہو گئے۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے محاصرہ میں ترکوں نے آتشیں اسلحہ بہ کثرت استعمال کئے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے فنون حرب کسی طرح اہل یورپ سے کم درجہ نہیں تھے لیکن دور دراز کی اسلامی تہذیب کی انتہائی حد سائبیریا میں سولھویں صدی عیسوی کے نصف آخر تک آتشیں اسلحہ سے کوئی واقف نہ تھا اور اسی وجہ سے روسیوں کو یہ علاقہ فتح کرنے میں بہت سہولت ہوئی۔ بارود کے استعمال کی طرح فن جہاز سازی میں اہل یورپ کی کامیابیوں سے بھی اس کشمکش میں بڑی مدد ملی۔ راس امید کی دریافت کے بعد جب یورپی جہاز بحر ہند تک پہنچ گئے تو اس وقت مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں تھی کہ اہل یورپ کے خلاف

Marfat.com

جنگ آزمائی کر سکتے۔ اس لئے ان کو ہندوستان و چین کی بحری تجارت مجبوراً اہل یورپ کے حوالہ کرنی پڑی۔ مسلمان فوراً اس نقصان کی تلافی نہ کر سکے۔ سولھویں صدی عیسوی کے نصف اول میں ترکی میں اس بات کو اچھی طرح محسوس کیا جاتا تھا کہ سمندروں پر اہل یورپ کے تسلط سے مسلمانوں کو کس قدر زبردست خطرہ پیدا ہو گیا ہے جس طرح کسی زمانہ میں اہل یورپ نے عربوں کی تقلید کی تھی اسی طرح اب مسلمانوں نے یورپی نمونہ پر بحریہ تیار کرنے کی طرف قدم اٹھایا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اسلامی ترکی میں بحریہ کے صدر کو یورپی لفظ Captain ‑ کپودوں پاشا ـــ سے موسوم کیا جاتا ہے اور اس کے برعکس تمام نصرانی یورپ میں Admiral کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو عربی لفظ امیر البحر کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے صرف ایک مرتبہ یعنی ۱۵۳۸ء میں ہندوستانی ساحلوں پر چڑھائی کرنے کے لئے ترکی سلطان ایک بحریہ تیار کرنے میں کامیاب ہوا لیکن یہ کوشش ناکام ہوئی اور اس قسم کی کوشش دوبارہ پھر کبھی نہیں کی گئی۔ یورپ کی فن جہاز سازی میں کامیابی اور امریکہ کی دریافت کی وجہ سے عالمگیر تجارت کے پرانے راستے بے کار ہو گئے، اور اب بحری تجارت کا دور شروع ہوا۔ کاروانی تجارت جس کی وجہ سے سمرقند اور ہرات جیسے

Marfat.com

شہروں کو ترقی و مرفہ الحالی نصیب ہوئی تھی بالکل ختم تو نہیں ہوئی لیکن اب اس کی پہلی سی اہمیت باقی نہیں رہی۔

اسی صدی میں یورپی اصول فن نے تمدن کو ایک زبردست ایجاد یعنی طباعت سے مالامال کر دیا۔ چین میں فن طباعت سے لوگ اس سے مدتوں پہلے واقف ہو چکے تھے۔ خود اہل یورپ بھی اس فن سے غالباً چین ہی میں روشناس ہوئے تھے۔ چین سے یہ فن مشرق بعید کے ملکوں میں داخل ہوا۔ اسی ملک کی ایک دوسری قوم یعنی کوریا کے رہنے والوں نے متحرک دھاتی حروف ایجاد کر لئے تھے۔ اس حیثیت سے یہ لوگ اہل چین اور اہل یورپ دونوں کے پیشرو تھے۔ چینیوں کے ذریعہ اہل ایران بھی فن طباعت سے اچھی طرح واقف تھے، چنانچہ رشیدالدین نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ بایں ہمہ مشرق بعید کی دنیا نے اس ایجاد سے وہ فائدہ نہیں اٹھایا جو اہل یورپ نے اٹھایا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں نے بھی اس سے کوئی استفادہ نہیں کیا۔ یورپ میں پندرھویں صدی عیسوی میں خواندہ لوگوں کی تعداد نسبتاً بہت کم تھی، بریں ہمہ نہ صرف بہت سی ادبی کتابیں بلکہ علمی کتابیں بھی طبع کی گئیں حتیٰ کہ سولھویں صدی عیسوی میں اہل یورپ نے علمی اغراض کے لئے مشرقی زبانوں کی کتابیں چھاپنی شروع کر دیں۔ اسلامی دنیا خصوصاً ترکی میں

Marfat.com

طباعت کے فن سے استفادہ کرنے کی ابتدا اٹھارھویں صدی عیسوی میں جاکر شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے اہل یورپ کے آتشیں اسلحہ تو بلا پس و پیش اختیار کر لئے لیکن کا فروں کی دوسری ایجادوں خصوصاً فن طباعت کو رائج کرنے کے لیئے مذہبی حاکموں کا مخصوص فتوے حاصل کرنا ضروری تھا، اس لئے مطبوعہ کتابوں کے استعمال سے مدرسہ کی زندگی میں انقلاب پیدا ہو چکا تھا، اور مذہب و مدرسہ میں جو قریبی تعلق تھا وہ ظاہر ہے۔ چین اور مغربی یورپ کا موازنہ اس حقیقت کو اچھی طرح ثابت کر دے گا کہ فنی کارنامے بجائے خود معاشری زندگی میں ترقی کا باعث نہیں ہوئے۔ چین کی مثال سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بارود سے واقف ہو کر بھی فوج تیار نہ کرنا، قطب نما سے واقفیت کے باوصف جہازرانی میں مصروف نہ ہونا اور طباعت کا فن جاننے کے باوجود رائے عامہ کو تشکیل نہ دینا ممکن ہے۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے ساتھ ساتھ معاشی و تمدنی زندگی میں بھی عام ترقی ہوتی گئی اور اس چیز نے اسلامی تہذیب کو دوسرے درجہ پر لا ڈالنے میں اہل یورپ کی بڑی ممد رہی۔ غرض اگر یہ عام ترقی نہ ہوئی ہوتی تو صرف چھاپہ کے رواج سے یورپ میں وہ نتائج نہ نکلتے جو اس صورت میں نکلتے۔ رفتہ رفتہ مسلمانوں کو مجبوراً اسلامی زبانوں

Marfat.com

اور ادب و تاریخ کے مطالعہ کے لئے بھی اہل یورپ کا دست نگر ہونا پڑا۔ اسی سترھویں صدی عیسوی میں یورپی ہیئت داں چین میں مسلمانوں کی جگہ لے رہے تھے اور یورپ میں مشرقی مخطوطوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ مشرق کا سفر کئے بغیر ایک فرانسیسی عالم اسلامی علوم کا انسائکلو پیڈیا تیار کر دیتا ہے۔

یہ خیال کرنا سخت غلطی ہو گی کہ پندرھویں صدی عیسوی کے بعد اسلامی دنیا جہالت کے غار میں پڑ گئی تھی اور یہ کہ اس نے قدر و قیمت کی کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی کی ترکی سلطنت صرف اپنی فوجی قوت ہی کی وجہ سے مشہور نہیں تھی قسطنطنیہ اسلامی دنیا کا ایک سب سے زیادہ اہم تہذیبی مرکز بن گیا تھا۔ یہاں کے کتب خانوں میں فارسی کے جو مخطوطات تھے اس کے اعتبار سے سینٹ پیٹرز برگ اور لندن کے بعد اسی کا درجہ تھا۔ اس زمانہ کا تہذیبی کام صرف گزشتہ زمانہ کی کتابوں کے مطالعہ تک ہی محدود نہیں تھا۔ ایک نئی قسم کا فن تعمیر جدید اصول پر قائم کیا گیا جو ایرانی طرز سے بہت

The Bibliothique Orientale of Herbelot. ۱۶۹

Marfat.com

مختلف تھا۔ سولھویں صدی عیسوی کے بہترین یونانی الاصل ترکی
تعمیر کار سنان کی بنائی ہوئی عمارتیں فنی شان و شوکت کے اعتبار
سے نشاۃ ثانیہ کے بعد یورپی فن تعمیر کے مقابلے میں امتیازی
شان رکھتی تھیں۔ خود سنان کا خیال تھا کہ اس کی بنائی ہوئی
عمارتوں میں بہترین عمارت ایڈریانوپل میں سلطان سلیم ثانی
(۱۵۶۶ء تا ۱۵۷۴ء) کی مسجد ہے۔ کاتب چلپی یا حاجی خلیفہ
سترھویں صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ اس نے دوسری
کتابوں کے علاوہ ایک مکمل کتاب کشف الظنون بھی تالیف
کی تھی جس میں اس نے علوم و فنون کی تمام شاخوں سے بحث
کی ہے۔ حاجی خلیفہ کی دوسری کتابوں میں علم جغرافیہ پر ایک
تالیف خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں سب سے پہلی مرتبہ
اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ یورپی جغرافیائی ادب کا مسلمانوں
کی جغرافیائی معلومات سے مقابلہ و موازنہ کیا جائے۔ اس
وقت تک یورپ میں اس قسم کی کوئی کوشش نہیں ہوئی تھی
اس صدی میں علائی چلپی نے اپنے سفر کے حالات ایک
کتاب میں جمع کر دیئے ہیں۔ گو اس میں کچھ ایسی باتیں بھی
درج ہیں جن کا کہیں وجود نہیں تھا۔ تاہم اپنی حد تک مکمل
اور رہنمی معلومات پر مشتمل ہونے کی حیثیت سے یہ سفرنامہ
ان تمام کتابوں سے بلند مرتبہ ہے جو عرب جغرافیہ نویسوں

Marfat.com

لکھی تھیں۔

اٹھارھویں صدی عیسوی کی ابتداء میں ایران میں عباس اعظم کی شاندار حکومت کا آغاز ہوا۔ اس دور حکومت کی یادگاریں دارالسلطنت اصفہان اور دوسرے شہروں میں آج تک باقی ہیں۔ عباس کے ایک ہم عصر اطالوی سیاح کے الفاظ میں شاہ کے عہد حکومت میں بنے ہوئے شاہی چوک اور چہار باغ کی سڑکیں نصرانی شہروں کے بہترین بازاروں اور سڑکوں سے کسی طرح کم درجہ نہیں تھے۔ حالانکہ قاچاری خاندان نے بھی مرکزی حکومت کو قوی کرنے کے علاوہ شہری زندگی کو ترقی دینے کی بھی کوشش کی۔ اس زمانہ میں نہ صرف دارالسلطنت طہران بلکہ شہر تبریز بھی ترقی کر کے بڑا شہر بن گیا ہے۔ حالانکہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں تبریز پر زوال آچکا تھا۔ سترھویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں شاہان مغلیہ کی حکومت صفویوں کی حکومت سے بھی زیادہ شاندار رہی۔ یہاں ہندی اثرات کے تحت ایرانی فن تعمیر نے ایک نئی شکل اختیار کر لی تھی۔ مغلوں کی بنائی ہوئی عمارتیں اس زمانہ میں سب سے زیادہ شاندار سمجھی جاتی تھیں۔ شاہان مغلیہ کے تصرف میں جتنی دولت تھی وہ فرانس کے چودھویں لوی کے سالانہ موازنہ سے کہیں زیادہ تھی حالانکہ تمام یورپ میں فرانس ہی سب سے زیادہ مالدار ملک تھا۔

ترکستان میں بھی، جہاں سولھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں وحشی ازبکوں نے تیموریوں کی سلطنت پر قبضہ کرلیا تھا۔ وحشت بربریت کو تہذیب پر پورا غلبہ حاصل نہیں ہوا جیسا کہ شیر دار اور تلیکری کے مدرسوں کی عمارتوں سے ظاہر ہے۔ سمرقند میں تیمور اور آل تیمور کے دور کی تعمیری روایات سترھویں صدی عیسوی میں بھی باقی نہیں اگرچہ بعد کو کاشی کاری کا فن باقی نہیں رہا، جس کی وجہ سے یہاں کی عمارتوں کی شان دوبالا ہو جاتی تھی۔ اس عہد میں بھی بخارا میں بہت سے شان دار کتب خانے موجود تھے اور اس زمانے کے مورخ اپنی کتابوں میں شاعرین اور اواقین کے فلسفہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ازبکوں کے تسلط سے خوارزم میں تجارت اور تمدنی زندگی درہم برہم ہو گئی تھی۔ بریں ہمہ بڑی بڑی نہریں تیار ہو جانے کی وجہ سے فن زراعت میں بھی کچھ نہ کچھ ترقی ضرور ہوئی۔ انیسویں صدی عیسوی میں فرغانہ میں خوقندخانوں کے زیر حکومت نہ صرف آب رسانی کے نہایت زبردست کام انجام پائے بلکہ بڑے بڑے شہر بھی بسائے گئے۔ ترکستان کے جن حصوں کو چینیوں نے فتح کرلیا تھا وہاں کے اسلامی فن تعمیر پر چینی اثر پڑنا لازمی تھا۔ چنانچہ جس طرح ہندوستان میں شاہان مغلیہ کے دور حکومت میں ایک مخلوط طرز تعمیر وجود میں آیا اسی طرح

ترکستان میں نہ صرف سرکاری عمارتیں بلکہ مسجدیں بھی مخلوط طرز کی تعمیر ہونے لگیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دنیا کا اکثر اوقات جو یہ نقشہ کھینچا جاتا ہے کہ اس زمانہ سے پوری اسلامی دنیا اس وقت تک خواب غفلت میں پڑی رہی جب تک کہ انیسویں صدی عیسوی میں اہل یورپ نے اسے دوبارہ بیدار نہیں کیا۔ بڑی حد تک یہ رائے مبالغہ آمیز ہے اور اس لئے گمراہ کن ہے۔ البتہ صرف اتنی بات صحیح ہے کہ اسلامی تہذیب جن موافق حالات میں پیدا ہوئی تھی وہ حالیہ زمانہ میں مفقود ہیں۔ اس عہد کی اسلامی قوتوں کو مجبوراً حربی معاملات کو سب سے مقدم رکھنا پڑا اور آبادی کی انہی عناصر کی حمایت کرنی پڑی جن سے ان کو فوجی امداد مل سکتی تھی۔ اگرچہ ایسا کرنے میں ان کو بعض وقت تہذیبی مقاصد کو قربان کرنا پڑتا تھا۔ عثمانلی خاندان ابتدا میں مذہب سے بالکل بے پرواہ اور درویشوں کی آزاد خیالی سے متاثر تھا لیکن حالات کے دباؤ سے مجبور ہو کر ان کو مسلمانوں کی حربی روایات پر زیادہ زور دینا پڑا۔ ۱۵۹۳ عیسوی میں ایک یورپی جنگ کے دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سبز جھنڈا پہلی مرتبہ میدان مصاف لایا گیا۔ مشہور ہے کہ یہ پرچم دمشق میں دستیاب ہوا تھا۔ مگر تعجب ہے کہ

Marfat.com

ابتدائی ماخذوں میں اس کی موجودگی کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ان
حالات کے تحت مملکت کو آزاد خیالی کے خلاف مذہب کے
حامیوں کی اور کاشت کاروں اور شہری باشندوں کے خلاف
البانیوں اور کردوں جیسی جنگ جو قوموں کی طرفداری کرنی لازمی تھی۔
ایران میں بھی اسی قسم کے رجحانات تھے جہاں صفوی
خاندان کے بانی نے شیعیت کو مملکت کا مذہب قرار
دے کر مغرب میں عثمانی ترکوں اور مشرق میں ازبکوں کے
خلاف اعلان جنگ کرنے کا بہانہ بنایا اس لئے کہ ایران کے
یہ دونوں ہمسائے سنی مذہب کے پیرو تھے۔ سولھویں صدی عیسوی
سے شیعہ سنی کشمکش نے سخت تعصب آمیز رنگ اختیار کر لیا جالانکہ
قرون وسطیٰ میں بھی یہ بات پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اسلامی تاریخ میں
پہلی مرتبہ شیعوں اور سنیوں نے اپنے اپنے مذہبی عالموں کے
فتووں کی بنا پر ایک دوسرے کو کافر بتلانا شروع کیا۔ صفویوں کا
خیال تھا کہ ایران کو بچانے کا تنہا ذریعہ شیعیت ہی ہو سکتی ہے
اٹھارھویں صدی عیسوی کے خاندانی جھگڑوں کے زمانے میں
سکوں پر بعض وقت ایک شیعی امام کا نام کندہ ہوتا تھا
نویں صدی عیسوی کی ابتداء میں گزرے تھے اور مشہد میں
دفن تھے۔ مذہب کے حامیوں نے راسخ العقیدہ ترکی کی
بہ نسبت آزاد خیال ایران میں زیادہ قوت حاصل

...انقلاب نے ترکی سے زیادہ وحشیانہ اور بے لگام جوش پیدا کیا۔ مغلوں کے زیر حکومت صرف ہندوستان کے حالات مختلف تھے۔ اس ملک کی اسلامی حکومت مال و دولت اور بظاہر رواداری دونوں میں ہم عصر یورپ سے بہت برتر تھی۔ بایں ہمہ ہندی مسلمان بھی تہذیبی کاموں میں اہل یورپ کا مقابلہ نہ کر سکے لیکن ان کے اسباب کی نوعیت جداگانہ ہے۔ شاہان مغلیہ کی سلطنت مشرقی ایشیائی مملکت کے نمونہ کی تھی، دولت کی فراوانی اس قدر تھی کہ اس کو بیرونی دنیا سے تعلقات رکھنے کی بہت کم ضرورت پڑتی تھی ہندوستان کے انگریز حکمران بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ مغلوں کے زمانے کے مقابلے میں ملک کی زرعی صلاحیت خود ان کے زمانہ سے ... زیادہ تھی۔ انگریزوں کا خاص کام جس پر وہ فخر کر سکتے ہیں یہ ہے کہ انھوں نے ملک کو بحری تجارت سے روشناس کیا اور اس کو ترقی دی اور یہ کہ کلکتہ، بمبئی، اور مدراس ایسے ... شہر تعمیر کئے جن سے سابق کا کوئی ہندوستانی بندرگاہ مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اس طرح تہذیبی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر افرنگیوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ یورپ میں ہر وہ چیز ... جو دورِ زندگی کو قرون وسطیٰ کی زندگی سے

Marfat.com

جنوب اور مغرب

شمال یا مشرق

ہے جو مغربی تہذیب

زیادہ اہمیت رکھتی

ذمہ داریوں کی حدود

قرون وسطیٰ میں بھی

سیاسی حیثیت سے

شہر آباد ہوئے

زندگی کا

تاریخ

گرجے

نام

Marfat.com